معرفتِ یوم القدس

پیشکش: پروفیشنلز آف تحریکِ بیداری

تحریر: متعہد و بیدار یونیورسٹی طلباء

پیشکش: پروفیشنلز آف تحریکِ بیداری

19 رمضان المبارک

بمطابق

25 مئی 2019

انتساب

رہبرِ کبیر و امامِ مستضعفینِ جہاں امام خمینیؒ کے نام کہ جنہوں نے مستکبرینِ جہاں و شیطانِ بزرگ کے خلاف نہضت قدس کا آغاز کر کے شرف اور غیرت و حمیتِ مسلمین کو محفوظ کرنے کا اقدام کیا۔

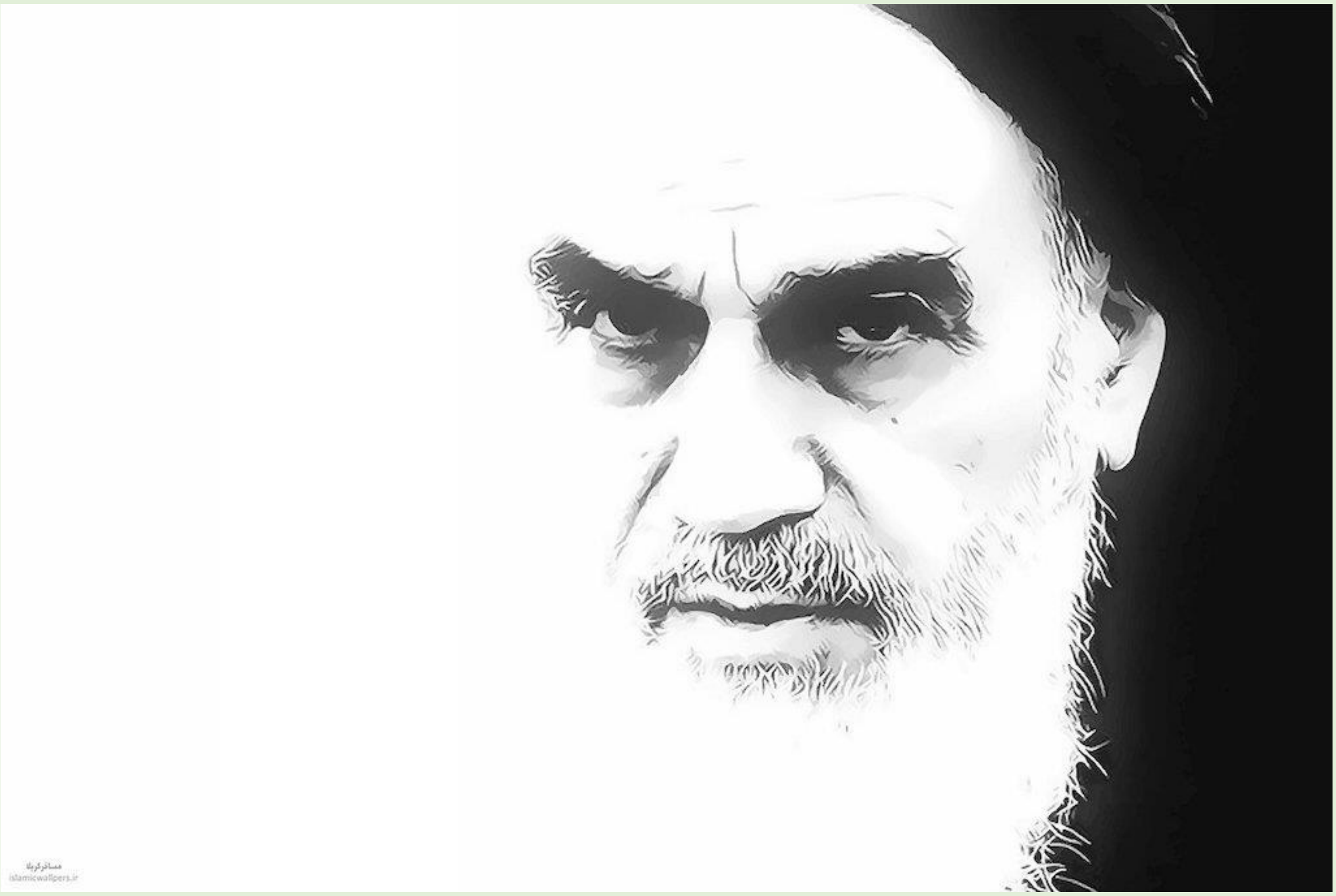

فہرست

سوالنمبر 1: ہم سب سے زیادہ امریکہ و اسرائیل کی مخالفت کیوں کرتے ہیں باوجود اس کے کہ دنیا میں اور بھی ظالم ممالک ہیں۔ 08

- اقسامِ آئمہ 10

سوال نمبر 2: فلسطین پر اسرائیل کے قبضہ کی مختصر تاریخ کیا ہے؟ ایک جعلی ریاست کیونکر وجود میں آئی اور کیسے پھیلتی چلی گئی؟ 13

- Zionism کی تاریخ 13
- جرثومہِ سرطان کا وجود میں آنا 19
- عرب اسرائیل جنگیں 28
- امام خمینیؒ اور مسئلہِ فسلطین 30

- لبنان پر اسرائیلی قبضہ 32
- پی ایل او(PLO) 35
- یاسر عرفات کی اسرائیل سے مصالحت 36
- اسرائیل کے خلاف مزاحمت کا سفر 38

سوال نمبر 3: یوم القدس کی اس قدر اہمیت کیوں ہے؟ اور بنیادی ترین چیز کہ ہم ان کی کیوں حمایت کرتے ہیں؟ 43

- حمایتِ فلسطین کی عمومی وجوہات 43
- حمایتِ فسلطین کی خصوصی وجوہات 45

سوال نمبر 4: ولی فقیہ کا فرمان کس طرح واجب ہو سکتا ہے؟ 49

سوال نمبر 5: یوم القدس کے حوالے سے مختلف شخصیاتِ اسلام کے فرموداتِ گراں قدر کیا ہیں؟ 50

سوال نمبر 6: امام خمینیؒ نے یوم القدس کو ماہِ رمضان میں ہی کیوں رکھا ہے؟ 52

سوال نمبر 7: یوم القدس پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کیا ہیں؟ ان کا کس طرح جواب دیا جائے؟ 53

- فلسطینی عرب ہیں جبکہ ہم نہ عرب ہیں اور نا فلسطینی تو ہم ان کی حمایت میں آواز کیوں اٹھائیں؟ 53
- فلسطینی سنی ہیں جبکہ ہم شیعہ تو ہم ان کی حمایت کیوں کریں؟ 54

- جتنی آواز ہم فلسطین کے لئے اٹھاتے ہیں اتنی کشمیر، یمن وغیرہ کے لئے کیوں نہیں اٹھاتے؟ 56
- ہماری ریلی نکالنے اور مردہ باد امریکہ و اسرائیل کہنے سے کیا ملے گا؟ 57

سوال نمبر 9: بالآخر مسئلہ فلسطین کا راہِ حل کیا ہے؟ 59
- دو ریاستی راہ حل 59
- ONE STATE SOLUTION 60
- امام خامنہ ای کے مطابق مسئلہِ فلسطین کا راہ حل 60

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال نمبر 1: ہم سب سے زیادہ امریکہ و اسرائیل کی مخالفت کیوں کرتے ہیں باوجود اس کے کہ دنیا میں اور بھی بہت سارے ظالم ممالک ہیں؟

جواب: دشمن شناسی از نظر قرآن کریم:

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید کے اندر ارشاد فرماتا ہے:

وان نکثو ایمانھم من بعد عھدھم و طعنو فی دینکم فقاتلو ائمۃ الکفر۔(سورہ برائت:12)

ترجمہ:" اور اگر عہد کرنے کے بعد جو لوگ اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کرنے لگ جائیں تو کفر کے اماموں سے جنگ کرو۔"

یہ آیت اسلام کے نزدیک دشمن شناسی اور خارجہ پالیسی کے اصول بیان کر رہی ہے۔ اس آیت میں خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے عہد باندھنے کے بعد توڑ دیا اور دین کے اندر propaganda کیا، جال سازی کی تو پھر ان کے ساتھ قتال کرو۔ ان سے جنگ کرو نہ کہ مذاکرات۔ ان سے ٹیبل ٹاک (table talk) نہ کرو۔ یہ بہت اہم بات ہے۔ استاد محترم سید جواد نقوی حفظہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ پورے قرآن میں اللہ تعالی نے کہیں یہ بیان نہیں فرمایا کہ جو روزہ نہ رکھے، نماز نہ پڑھے اس کو قتل کرو بلکہ فرمایا جو عہد توڑے، اسے قتل کر ڈالو۔

قرآن کا ایک مزاج ہے کہ پورے قرآن میں کسی چیز کے واجب ہونے کے لئے لفظ واجب ذکر نہیں کیا گیا مثلاً نماز واجب ہے لیکن نماز کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ نماز واجب ہے بلکہ کہا کہ اقیموا الصلوٰۃ یعنی نماز قائم کرو۔ یہ صیغہِ امر ہے اور جہاں پر صیغہ امر آجائے وہ حکم واجب ہو جاتا ہے اور جس چیز سے روک دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ جب کہا جائے کہ ان سے قتال کرو تو یہ واجب ہے، کیونکہ یہ صیغہِ امر ہے پس ایسی صورت میں یہ امر واجب ہے۔

جو تمہارے دین میں طعن (پروپیگنڈہ) کریں ان کو قتل کریں۔

یہاں سوال جنم لیتا ہے کس سے لڑنا ہے؟

قرآن کا جواب یہ ہے کہ آئمتہ الکفر سے لڑنا ہے۔

آئمتہ الکفر یعنی کفر کے امام سے لڑو۔ یہاں پر ایک تو ہماتی اشکال آجاتا ہے کہ ہم کسی غیر معصوم کے ساتھ لفظ امام نہیں لگا سکتے اور پاکستان میں خصوصاً اس کے متعلق عجیب شبہات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں کفر کے ساتھ آئمہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قرآن میں امام کا لفظ عمومی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام یعنی لیڈر یا رہبر، خواہ وہ ہدایت کی طرف لے جانے والا ہو یا گمراہی کی طرف۔ خدا فرماتا ہے جو کفر کی طرف لے جائے وہ امام کفر اور جو ہدایت کی طرف لے جائے اس کو امام ہدایت کہتے ہیں۔

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ (القصص:41)

اور ہم نے انہیں امام بنایا اور وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے، اور قیامت کے دن انہیں مدد نہیں ملے گی۔

اور اسی طرح آئمہ ہدایت کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا اور ہم نے انہیں امام بنایا اور وہ ہمارے امر کے مطابق ہدایت کرتے تھے۔(الانبیاء73)

اقسامِ آئمہ

پس دو طرح کے امام ہیں۔

- الٰہی امام
- مادی / غیر الٰہی امام

یہ کفر و شرک کے آئمہ مادی ہی ہوتے ہیں۔ شیعان پاکستان دشمن شناسی کے حوالے سے ابھی بھی سرگرداں ہیں۔ اگر پاکستان میں کسی عام شیعہ سے پوچھیں کہ آپ کا سب سے بڑا دشمن کون ہے تو کہیں گے کہ سپاہ صحابہ یا لشکر جھنگوی یا پھر طالبان۔ یہ دشمن تو ہیں مگر یہ اصلی دشمن نہیں ہیں بلکہ کرائے کے قاتل ہیں۔ انکے پیچھے ایک اور تہہ ہے جو پاکستان میں ان کے حامی ہیں۔ اور پھر ان کے پیچھے ظالم عرب حکمران ہیں جو ان کو فنڈنگ کرتے ہیں اور پھر ان کے پیچھے جائیں تو امریکہ ہے۔

ان سب کا امام امریکہ ہے۔ یعنی اگر آپ نے صرف سپاہ صحابہ سے جنگ کی تو کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ سارے پیسے اور لوگ خرچ کر کے بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ کیونکہ ان کے ختم ہو جانے کے بعد وہ ایک اور لشکر بنائیں گے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ کیا انقلاب اسلامی سے پہلے کوئی سپاہ صحابہ یا لشکر جھنگوی تھے؟ کیوں کہ انقلاب کے بعد دشمن خوف زدہ ہوئے اور ان کو روکنے کے لئے سپاہ صحابہ جیسے گروہ بنائے گئے۔ اسی طرح سپاہ صحابہ کے بانی لدھیانوی کا بیان ہے کہ انقلاب اسلامی کے ظہور کے بعد اس کے اثرات سے پاکستان کو بچانا اور پاکستان میں فقہ جعفری کے نفاذ کو روکنے کے لئے سپاہ صحابہ بنائی گئی۔

اگر آپ اصلی دشمن تک جا پہنچیں اور اس کو شکست دے دیں تو یہ سارے چھوٹے لشکر خود ہی ختم ہو جائیں گے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک درخت کی جڑ کاٹ دی جائے۔

بطور مثال ایک تالاب ہے جس کے اندر گندا پانی پائپ سے آکر تالاب کو گندا کر رہا ہے تو کیا اس کو صاف کرنے کے لئے دو بالٹیاں پانی باہر نکالنا کافی ہو گا؟ یا باہر سے صاف ستھرا پانی اندر ڈالنے سے یہ صاف ہو جائے گا؟ ہر گز نہیں! بلکہ اس خباثت کے سر چشمہ کو روکنا ہو گا۔

پس اسی طرح جب آپ کے بہت سارے دشمن ہوں تو ان کے امام سے لڑنا ہو گا، باقی سب خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ امام حسینؑ نے بھی اصل امام کفر یزید کے خلاف جنگ کی ہے۔ امام خمینیؒ نے یہ نور بصیرت اسی قرآن سے حاصل کیا کہ کس سے جنگ کی جائے، امام کفر امریکہ سے۔ دفاع مقدس میں جب صدام نے ایران پر حملہ کیا تو امام نے کہا کہ یہ صدام اسلام کا دشمن ہے لیکن اس سے بڑا دشمن امریکہ ہے۔

اسی طرح ہم نے مشاہدہ کیا کہ سعودی عرب کے بارے میں جب ٹرمپ نے بیان دیا کہ ہم اگر حمایت نہ کریں تو سعودی عرب دو ہفتے بھی نہیں رہ سکتا۔ تب ایرانی حکومت نے کہا کہ ہم سعودی عرب کی حمایت کو بھی تیار ہیں اگر یہ امریکہ کی حمایت چھوڑ دے۔ یہ آلِ سعود بھی خبیث خاندان ہے لیکن اس سے خبیث تر امریکہ ہے اور امام کفر ہے، اس سے جنگ ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن کے اندر ایسے اسوے بیان ہوئے ہیں جس طرح طالوت و جالوت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت داؤدؑ نے جالوت کو مارا تو باقی سب بھاگ گئے۔

ولی امر کا سب سے زیادہ زور امریکہ و اسرائیل سے جنگ پر ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ تمام عالم مظالم و مسائل سے بھرا ہوا ہے لیکن رہبر معظم صرف مسئلہ فلسطین و مسئلہ قدس پہ تاکید

کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ سب مسائل کی جڑ ہے۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر ہی رہبرِ مسلمینِ جہاں اس پر اس قدر زور دیتے ہیں۔ اور امریکہ و اسرائیل بین الاقوامی طور پر نظامِ کفر و ظلم کے امام ہیں اسی لئے رہبرِ معظم سب سے زیادہ انہی کی مخالفت پر زور دیتے ہیں۔

سوال نمبر 2: فلسطین پر اسرائیل کے قبضہ کی مختصر تاریخ کیا ہے؟ ایک جعلی ریاست کیونکر وجود میں آئی اور کیسے پھیلتی چلی گئی؟

جواب:

■ تاریخ بھر یہودیوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ یہودیوں کو کوئی ریاست نہیں بنانی چاہیے۔ اور وہ ایک یہودی حکومت کے جواز کے قائل نہ تھے. ان کا ماننا تھا کہ خدا نے ہمیں جس سرزمین سے نکال دیا ہے، ہمارا وہاں جانا جائز نہیں۔ اکثر یہودی علما اور عوام کا رجحان اسی نظریہ کی طرف تھا۔ وہ علاقہ جسے کنعان کہا جاتا تھا (موجود اسرائیل) اس کو یہودی تقریبا" اڑھائی ہزار سال" قبل چھوڑ چکے تھے۔ اور اس دوران یہودی دنیا کے مختلف کونوں میں آباد رہے۔ اس دوران فلسطین میں مختلف قومیں آباد رہیں، جہاں مختلف حکومتیں قائم رہیں. اس اڑھائی ہزار سال میں یہودیوں نے اس زمین کا رخ نہیں کیا, کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ خدا نے ہمیں (بطور سزا) اپنی مقدس سرزمین سے نکال دیا ہے لہذا ہمارا دوبارہ وہاں جانا جائز نہیں۔

Zionism کی تاریخ:

■ مگر 1897 میں Zionism (صیہونیت) کے نام سے یہودویوں کی ایک تنظیم وجود میں آئی۔ جس کا بانی آسٹریا سے تعلق رکھنے والا ایک یہودی صحافی Theodor Herzl تھا۔ اس تنظیم کے ممبران کو Zionist (صیہونی) کہا جاتا ہے. Zionism کا لفظی معنی ہے: "Zion کی طرف واپسی"۔

Theodor herzl

ان کی کتب میں بیت المقدس کی پہاڑیوں کو Zion کہا جاتا ہے۔ پس Zionism یعنی "قدس کی طرف یہودیوں کی واپسی" یہ ایک مذہبی سیاسی (religio political) تنظیم ہے اور ایک مکمل سیاسی ڈاکٹرائن (doctrine) کی حامل ہے ان کا نظریہ تھا کہ ہم نے ایک یہودی اسٹیٹ ہر صورت بنانی ہے اور پھر پھیلتے ہوئے پوری زمین پر اپنی حکومت قائم کرنی ہے۔

(یہ بات ثابت شدہ ہے کہ Theodor Herzl کو آگے کرنے اور Zionism کی تشکیل میں عیسائیت کے متشدد فرقہ (سلفی عیسائیت) کا بنیادی ہاتھ ہے۔ اور اس کے پیچھے سلفی عیسائیت کی اپنی آئیڈیالوجی کار فرما ہے۔ جسے یہاں بیان کرنے کی فرصت نہیں)۔

■ 1897 کو وجود میں آنے والی اس تنظیم کی اس وقت کے تمام یہودیوں نے مخالفت کی۔ صرف یہودیوں کی ایک قلیل تعداد نے اس تنظیم اور اس کے تفکر کی حمایت کی.۔ 1897 میں اس تنظیم کا سئوٹزر لینڈ میں پہلا رسمی اجلاس ہوا, جس میں اس بات کا حتمی فیصلہ کیا گیا کہ ہم نے یہودی ریاست

کنعان (موجودہ اسرائیل) میں قائم کرنی ہے۔ اور اس مملکت کا نام اسرائیل ہو گا۔ اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جو دو لفظوں سے مل کر بنا ہے: "اسرا" (یعنی عبد) اور "ایل" (یعنی اللہ). پس اسرائیل کا اگر عبرانی سے عربی میں ترجمہ کیا جائے تو بنے گا: "عبد اللہ". اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا عبرانی نام ہے. جن کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، جن کا قرآن میں کثرت سے ذکر آیا ہے۔ پس 1897 سے اسرائیل کے قیام کی عملی کوششیں شروع ہو گئیں۔

■ اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ تمام امور انہوں نے اپنی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر انجام دیئے. مثلاً ملک کا نام، سرزمین کا انتخاب۔ یہ سب کچھ آئیڈیالوجیکل بنیادوں پر کیا گیا۔ حلانکہ یہودیوں کو یوگینڈا، ارجنٹائن اور بعض دیگر ممالک نے اپنی سرزمین پر یہودی ریاست بنانے کی پیشکش کی تھی مگر Zionist بضد تھے کہ ہم نے کنعان میں ہی اپنی ریاست قائم کرنی ہے۔

■ یہ وہ دور تھا جب خلافتِ عثمانیہ جاری تھی اور فلسطین بھی اسی کا حصہ تھا۔ البتہ مرکزی حکومت کا کنٹرول یہاں اتنا مضبوط نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے 1897 کے بعد فلسطین میں یہودیوں کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ Zionism کی تشکیل سے قبل اس پورے خطے میں تقریبا "بیس ہزار" یہودی آباد تھے۔ تاہم 1897 کے بعد تارک الوطن یہودیوں کے فلسطین میں نقل مکانی کی وجہ سے یہاں یہودیوں کی آبادی آہستہ آہستہ بڑھنا شروع ہوئی۔ تاہم جنگ عظیم اول تک اس نقل مکانی کی رفتار کافی سست تھی اور اکثر یہودی اس اقدام کو ٹھکرا چکے تھے۔

■ جنگ عظیم اول میں خلافت عثمانیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا مگر اس جنگ میں جرمنی کو شکست ہوئی اور برطانیہ فتح یاب ہوا۔ سلطنت عثمانیہ کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا اور کچھ پر فرانس اور کچھ پر

برطانیہ نے قبضہ جمالیا۔ فلسطین پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ 1917 میں فلسطین میں قائم برطانوی حکومت نے Balfour declaration کے نام سے ایک اعلامیہ جاری کیا، جس میں کہا گیا کہ ہم اس خطے میں یہودیوں کو آباد کریں گے۔ حالانکہ برطانیہ میں عیسائیت کی اکثریت ہے۔ پس عیسائی ہی یہودیوں کو اس سرزمین پر لے کر آئے ہیں۔ جب یہ اعلامیہ 1917 میں جاری ہوا تو پوری دنیا سے یہودیوں نے آنا شروع کر دیا۔ وہ ایک تکنیکی طریقے سے یہاں آباد ہوئے۔ شروع میں انہوں نے کئی گنا زیادہ قیمت پر زمینیں خریدیں۔ اور اس طرح انہوں نے اپنی تعداد بڑھائی۔ اور سوشل ویلفیئر کے نام پر اپنا اثر ورسوخ بڑھایا۔ فلسطین میں قائم حکومت برطانیہ کی انہیں مکمل حمایت حاصل تھی۔ پس اس کے بعد انہوں نے دہشت گردی شروع کر دی۔ اب ان کی تعداد بھی کافی ہو چکی تھی اور وہ نفوذ بھی کر چکے تھے اور لوگ ان پر منحصر بھی تھے. اب انہوں نے دہشت گردی شروع کی اور مختلف زمینوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ اس طرح مقامی آبادی کو بے دخل کرتے ہوئے پورے پورے علاقوں پر قبضہ جماتے گئے۔

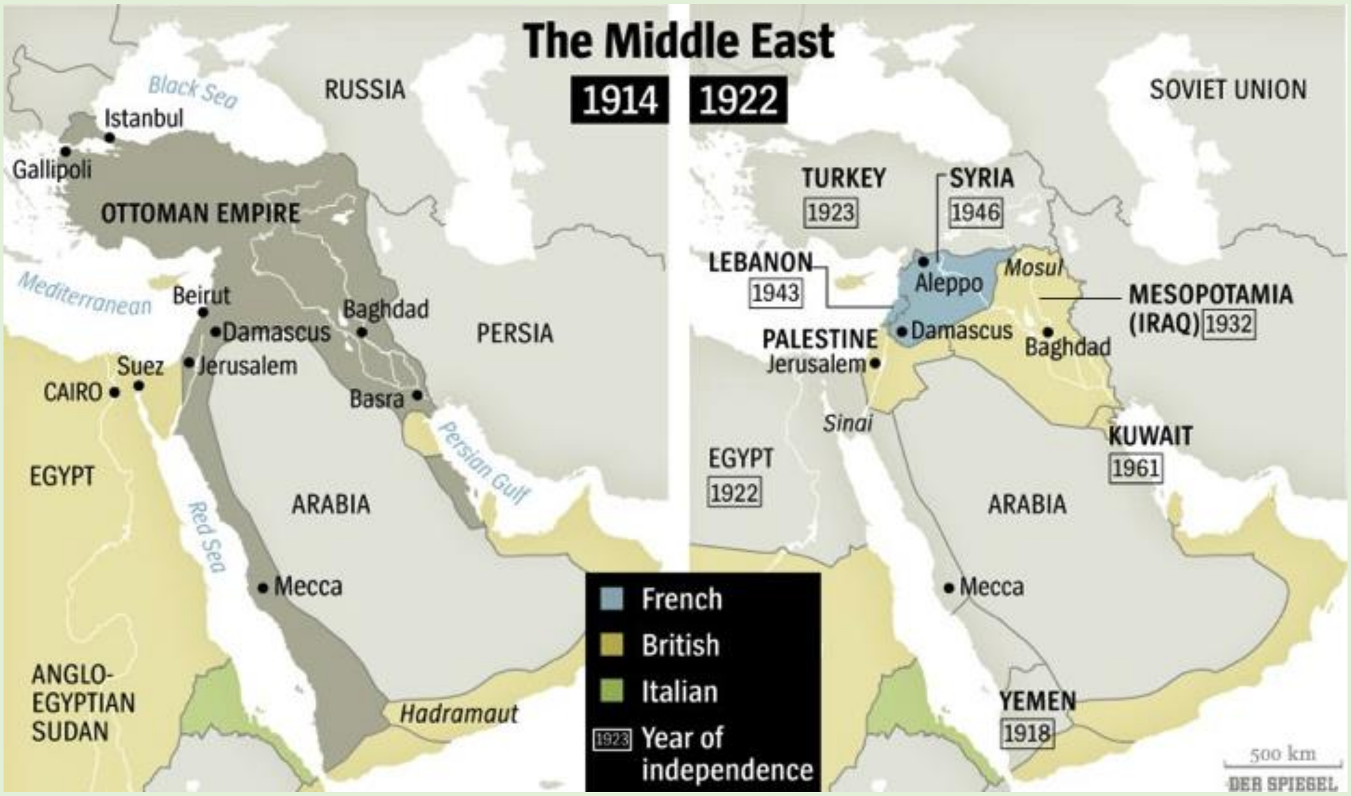

مشرقِ وسطیٰ قبل و بعد از اں جنگ عظیم اول

سیکولر افراد کا یہ اعتراض کہ یہودیوں نے اس زمین کو خریدا ہے، بالکل بے معنی ہے۔ کیونکہ خریداری والا معاملہ تو صرف شروع میں ہوا ہے۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ ایک یا دو فیصد زمین خریدی ہے۔ جب مقامی آبادی یہودیوں کے ان عزائم سے آگاہ ہوئی تو نا صرف یہ کہ زمینیں فروخت نہیں کیں بلکہ ان کے خلاف عوامی مبارزہ شروع ہوا اور جگہ جگہ جھڑپیں ہوئیں۔ حتیٰ 1930 سے تو مسلح مزاحمت شروع ہوئی ہے جو آج تک جاری ہے۔

مگر فلسطینوں کو اس مبارزہ میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ ہمیشہ ایک چیز جو ان کی ناکامی کا باعث بنی ہے، وہ یہ ہے کہ فلسطین کے عوام اور تنظیمیں عرب حکمرانوں پر کافی منحصر تھے۔ کیونکہ فلسطینی بھی عرب تھے اسلئے وہ سمجھتے تھے کہ یہ عرب حکمران ہمارے خیر خواہ ہیں اور ہمارے لیئے بھلائی کا کوئی فیصلہ کریں گے۔ صرف اسی وجہ سے کئی دفعہ فلسطینیوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پس اس وقت بھی ایسا ہی ہوا، جب بھی یہودیوں کے خلاف کوئی عوامی حرکت زور پکڑتی تو برطانیہ عرب حکمرانوں پر تحریک کو کنٹرول کرنے کے لئے دباؤ ڈالتا۔ عرب حکمران اپنا اثر رسوخ استعمال کرتے ہوئے ان زور پکڑتی تحریکوں کو ٹھنڈا کر دیتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً فلسطینی عوام ان یہودیوں کو اپنی سرزمین سے نکال باہر کرتے۔

■1939 میں جنگ عظیم دوئم شروع ہوئی۔ جس کے اندر بہت سارے یہودی مارے گئے۔ عام طور پر جب یہودی ظلم کرتے ہیں تو ہم ہٹلر کو آئیڈیالائز کرتے ہیں کہ آج ہٹلر ہونا چاہئے تھا جبکہ ہٹلر کا

صیہونیت سے بہت اچھا رابطہ تھا اور یہ خود ان کا ہی آلہ کار تھا۔ ان تمام یہودیوں کو جو اسرائیل کے قیام کے مخالف تھے، انہیں مارنا شروع کر دیا۔ وہ جو Zionism مخالف یہودی تھے ان میں اکثر کو مار دیا گیا۔ اور اس طرح Zionism کے مخالف یہود کی تعداد کو کم کر دیا گیا اور دوسرا یہ کہ صیہونیت نے اس سے مظلومیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اور یہ تاثر دیا کہ یہودی مظلوم ہیں، اسی لیئے U.N کی قرار دادوں میں بھی انہیں مظلوم پیش کیا گیا۔ اس سے عوامی رائے عامہ ان کی حمایت میں چلا گیا۔

تیسرا ان کا نقطہ نظر کہ ہمیں ایک حکومت چاہئیے۔ اس نظریہ کو زبردست تقویت ملی اور باقی ماندہ یہودیت نے عدم تحفظ کا خیال کرتے ہوئے Zionist Movement کی حمایت کرنا شروع کر دی۔ پس Zionist نے تمام یہود کے لیئے ثابت کیا کہ سوائے اسرائیل کے، آپ کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اور مظلومیت کے کارڈ سے عالمی سطح پر بھی ان کی حمایت میں اضافہ ہوا۔ پس آپ دیکھیں کہ Zionist نے کس قدر مکاری سے خود یہودیوں اور عوامی رائے عامہ کو تیار کیا۔ پس جنگ عظیم دوم کے دوران پوری دنیا سے یہودیوں کی ایک بڑی آبادی نے فلسطین نقل مکانی شروع کر دی۔

جرثومہِ سرطان (اسرائیل) کا وجود میں آنا:

■ 1945 میں U.N وجود میں آئی اور اس کے ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ ہم اسرائیل اور عرب معاملے کو حل کریں گے۔ 1947 میں U.N نے اعلان کیا کہ موجودہ فلسطین کو دو ریاستوں میں تقسیم کیا جائے گا یعنی:

☆ ایک عرب ریاست (فلسطین)

☆ اور ایک یہودی ریاست (اسرائیل)

اسرائیل کو 52٪ جبکہ فلسطین کو 48٪ رقبہ دیا گیا۔

■14 مئی 1948 کو برطانیہ نے رسمی طور پر فلسطین سے انخلا کیا اور کنعان کی حکومت Zionists کے حوالے کر دی۔ اسی دن اسرائیل نے اپنے (نجس) وجود کا اعلان کیا اور David Bangourion کو اس کا پہلا وزیر اعظم بنایا گیا۔ امریکہ نے اس اعلان کے چند گھنٹے بعد اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔ امریکہ کے

بعد اسرائیل کو تسلیم کرنے والے دوسرے ملک کا نام ایران ہے۔ اور اس کے بعد دیگر پٹھو ممالک امریکہ کی پیروی میں یکے بعد دیگرے اسرائیل کو تسلیم کرتے چلے گئے۔

عرب اسرائیل جنگیں

■ عربوں نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ عربوں کی اسرائیل سے مختلف جنگیں ہوئیں، تاہم ان تمام جنگوں میں عربوں کو زبردست شکست کا سامنہ ہوا۔

● 1948 میں پہلی عرب اسرائیل جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں پانچ عرب ممالک شامل تھے: اردن، شام، مصر، لبنان اور عراق نے مل کر اسرائیل کے خلاف جنگ کی۔ اس جنگ کا مقصد فلسطین کو آزاد کروانا تھا۔ فلسطین کی آزادی تو در کنار عرب اپنے ہی کچھ علاقے کھو بیٹھے۔

اس جنگ میں اسرائیل نے ان علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا جس کے بارے U.N میں طے ہو چکا تھا کہ یہاں عرب ریاست (فلسطین) قائم ہو گی۔ اور اس طرح اسرائیل نے اپنے حجم کو ڈیڑھ گنا بڑھا لیا۔ اور اب فلسطین کے کل رقبہ کا 78٪ علاقہ پر اسرائیل قابض ہو چکا تھا۔ اس جنگ کے بعد سات لاکھ فلسطینی مزید بے گھر ہو گئے اور فلسطین سے باہر دیگر عرب ممالک میں پناہ گزین کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہو گئے۔

■ 1948 کی مملکت فلسطین:

1948 کی جنگ کے بعد فلسطین کے 78 فی صد علاقوں پر اسرائیل قابض ہو چکا تھا۔ جبکہ فلسطینی عوام صرف بائیس فی صد علاقے میں مقیم تھی۔ اور یہ بائیس فی صد علاقہ بھی دو حصوں میں منقسم تھا اور ان دو

حصوں کا بھی آپس میں کوئی زمینی رابطہ نہیں تھا بلکہ ان دو کے درمیاں اسرائیل موجود ہے۔ یہ دو علاقے مندرجہ ذیل ہیں:

☆ مغربی کنارہ(West bank):

رقبہ کے لحاظ سے یہ فلسطین کا سب سے بڑا علاقہ ہے۔اس کے ایک طرف اردن جبکہ باقی تمام اطراف سے اسرائیل واقع ہے۔ مغربی کنارے کا اردن کے علاوہ اور کسی اسلامی ملک سے کوئی زمینی رابطہ نہیں۔ مغربی کنارے اور اسرائیل کی سرحد پر یروشیلم شہر (بیت المقدس)واقع ہے۔

☆ غزہ پٹی:

فلسطین کا دوسرا حصہ غزہ پٹی ہے جو رقبہ کے لحاظ سے مغربی کنارے کی نسبت بہت چھوٹا علاقہ ہے تاہم یہ انتہائی گنجان آباد علاقہ ہے۔ اس کے ایک طرف مصر کا صحرائے سینا، دوسری طرف سمندر جبکہ باقی اطراف میں اسرائیل واقع ہے، اس وقت اسرائیل کے خلاف مزاحمت صرف غزہ پٹی سے ہی ہوتی ہے۔

عرب اسرائیل جنگ کا منظر

● 1956 میں جب مصر میں جمال عبد الناصر کی حکومت تھی تب مصر نے نہر سوئز پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنی قومی تحویل میں لے لیا۔ تاہم اسی سال اسرائیل نے مغربی ممالک کی مدد سے یہ نہر واپس لے لی۔

● دوسری عرب اسرائیل جنگ:

1967 میں دوسری عرب اسرائیل جنگ ہوئی اور اس میں تین عرب ممالک مصر، اردن اور شام نے اسرائیل کے خلاف جنگ کی۔ یہ جنگ چھ دن جاری رہی اور اس جنگ میں اسرائیل نے ان ممالک کے کافی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ مثلاً

☆ مصر میں صحرائے سینا پر قبضہ کرلیا. (یہی وہ صحرا ہے جس میں حضرت موسیٰ کی قوم چالیس سال سرگردان رہی تھی۔)

☆ دریائے اردن کے مشرقی علاقوں کو اسرائیل نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

☆ شام میں گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا۔

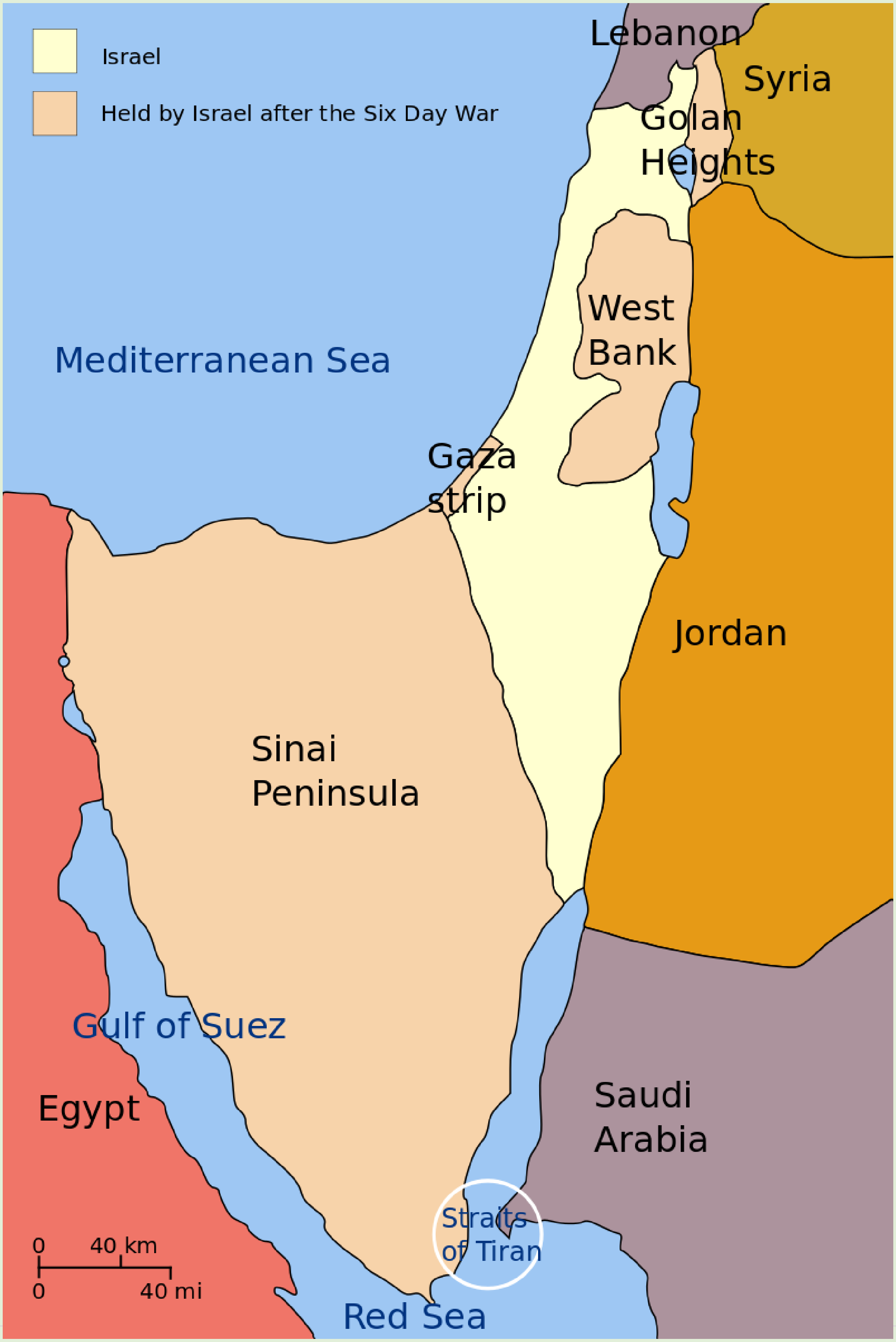
Israel
Held by Israel after the Six Day War
Lebanon
Syria
Golan
Heights
West
Bank
Mediterranean Sea
Gaza
strip
Jordan
Sinai
Peninsula
Gulf of Suez
Egypt
Saudi
Arabia
Straits
of Tiran
0
40 km
0
40 mi
Red Sea

☆ 1967 کی جنگ میں اسرائیل نے فلسطین کے اکثریتی علاقہ بنام "مغربی کنارے" پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سب فلسطینی آباد تھے مگر ان پر فوجی محاصرہ اسرائیل کا تھا۔ اسرائیل نے یہاں یہودی بستیاں بنا کر 5 لاکھ یہودی آباد کر دیئے۔ فلسطین کے علاقہ مغربی کنارے اور اسرائیل کے بارڈر پر "یروشیلم شہر" واقع ہے، جو مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے لیئے ہی مقدس ہے۔ 1967 کی جنگ سے قبل یروشیلم فلسطینیوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم تھا۔ آدھا شہر یہودیوں کے پاس جبکہ آدھا شہر فلسطینیوں کے پاس تھا۔ مسجد اقصی پر مسلمانوں کا کنٹرول تھا اور یہاں یہودیوں کا آنا ممنوع تھا۔ لیکن 1967 کی جنگ کے بعد اسرائیل نے یروشیلم پر مکمل قبضہ جمالیا اور مسجد اقصی کو بھی اپنے تسلط میں لے لیا۔ فلسطینیوں کو یہاں سے نکال باہر کر دیا گیا اور یہاں بھی یہودی آباد کر دیئے گئے۔ اور آج یہ تناسب ایسا ہے کہ یروشیلم میں دو تہائی یہودی جبکہ صرف ایک تہائی مسلمان آباد ہیں۔

☆ 1967 میں غزہ پر بھی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔ اسرائیل نے یہاں بھی اپنی فوجیں تعینات کر دیں اور یہودی بستیوں کا قیام شروع کر دیا۔

اس جنگ کے نتیجے میں اسرائیل نے مقبوضہ علاقوں کے حجم میں تین گنا اضافہ کیا۔ اور مزید دس لاکھ فلسطینی بے گھر ہو گئے۔

- **تیسری عرب اسرائیل جنگ:**

1973 میں تیسری عرب اسرائیل جنگ لڑی گئی۔ اس جنگ میں اردن نے جنگ نہ کرنے کا اعلان کیا اور صرف شام اور مصر نے اسرائیل کے خلاف جنگ کی اور ایک بار پھر اسرائیل سے زبردست شکست کھائی۔

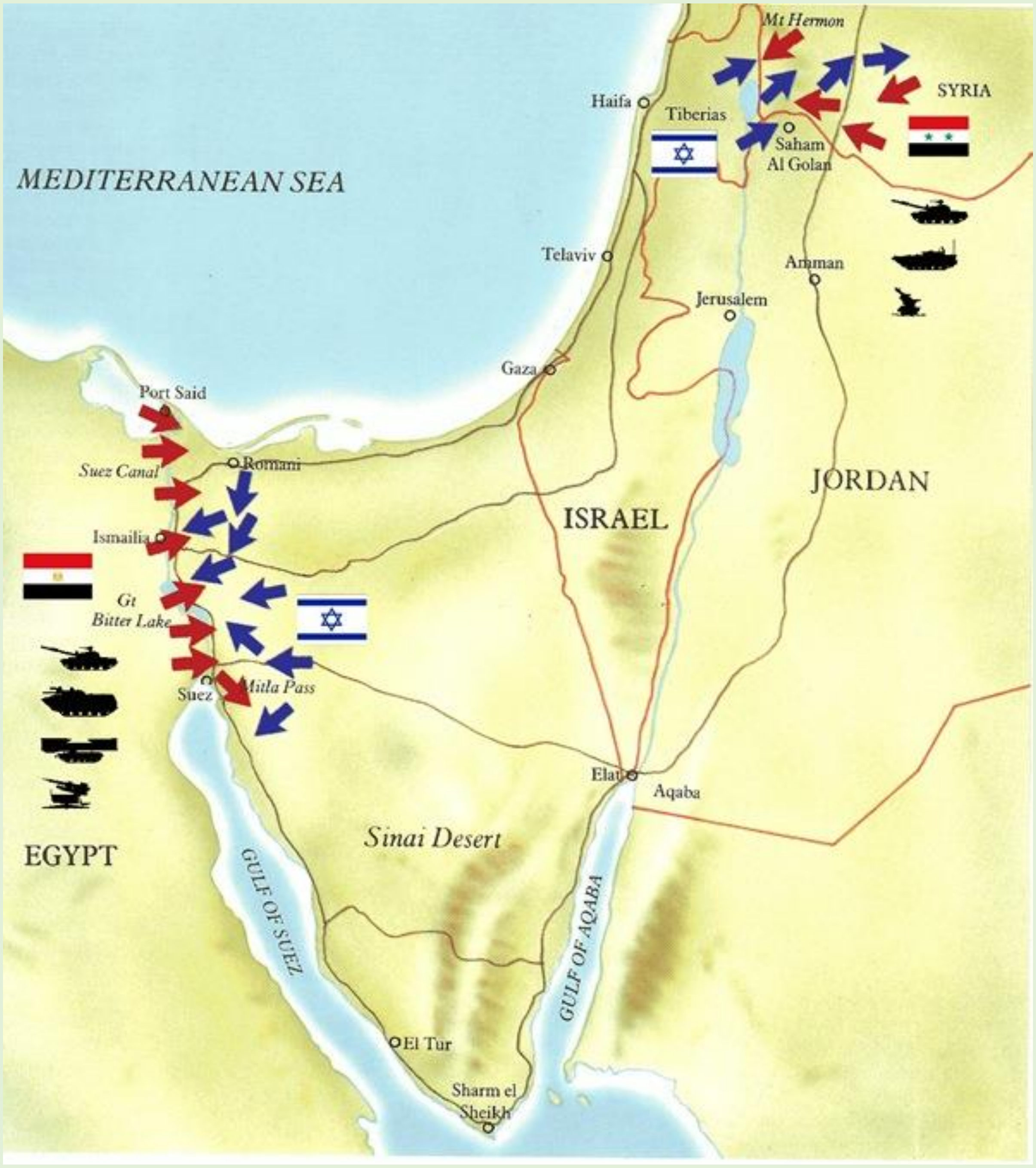

مصر اس جنگ کے زریعے صحرائے سینا واپس لینا چاہتا تھا جب کہ شام کا مقصد " گولان کی پہاڑیاں " آزاد کروانا تھا۔ اس جنگ میں نا صرف یہ کہ مصر اور شام اپنے مطلوبہ اہداف حاصل نہ کر سکے بلکہ شام کے

کافی علاقوں پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا اور مصر میں تو قاہرہ کے قریب تک اسرائیل نے پیش قدمی کر لی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک نے امریکہ کا تیل بند کر دیا۔ تیل کی فراہمی بحال کرنے کے بدلے ان عرب ممالک کا مطالبہ تھا کہ اسرائیل کو جنگ سے پہلے والی سرحدی حدبندی تک واپس لایا جائے۔ تیل کے بحران نے امریکہ کے لیئے شدید مسائل پیدا کر دیئے، تیل کی قیمتیں عالمی مارکیٹ میں چار گنا بڑھ چکی تھیں۔ امریکہ نے اسرائیل پر دباو ڈالا اور اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ اس طرح عملی طور پر مصر اور شام بری طرح جنگ ہارنے کے باوجود اپنے مزید علاقے کھونے سے محفوظ رہے۔

■ عرب اسرائیل مذاکرات:

اسرائیل سے پے در پے جنگیں ہارنے کے بعد مقبوضہ علاقوں کی واپسی اور امن کے لیے عرب حکمرانوں نے اسرائیل سے مذاکرات کا راستہ اختیار کیا۔

- مصر کے حاکم انور سادات نے 1978 میں اسرائیل سے مذاکرات کیے اور اسرائیل سے امن معاہدہ کیا جس کے مطابق اسرائیل نے صحرائے سینا مصر کو واپس کر دیا۔ اس کے بدلے مصر نے اسرائیل کے وجود کو تسلیم کر لیا اور فلسطین کی حمایت نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ اس معاہدہ کو "کیمپ ڈیوڈ معاہدہ" کہا جاتا ہے۔ مصر وہ پہلا عرب ملک ہے جس نے اسرائیل سے امن معاہدہ کیا اور اس کے وجود کو تسلیم کیا۔

انور سادات کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے بعد اسرائیلی وامریکی سربراہان کے ساتھ

لاکھوں بے گھر مظلوم فلسطینی جو علاقے کے عرب ممالک سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے کہ ان کی کوششوں سے شاید ایک دن وہ اپنے گھروں کو واپس لوٹیں گے، اس معاہدہ سے انہیں شدید مایوسی ہوئی اور وہ خود کو ہر طرف سے بے یار و مدد گار سمجھنے لگے۔ مصر جو کہ اسرائیل کے خلاف جنگوں میں ان تمام عرب مملک کی قیادت کر رہا تھا اور ایک مضبوط فوجی طاقت رکھتا تھا، اس کا صرف اپنے ہی مقبوضہ علاقہ (صحرائے سینا) کو واپس لینے کے بدلے اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنا اور اس سے امن معاہدہ کرنا یقیناً ایک شرمناک حرکت تھی۔ امام خمینیؒ نے اس معاہدے کو "ذلت آمیز" قرار دیا اور اس کے رد عمل میں مصر سے تعلقات منقطع کر دیئے۔

- کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے ایک سال بعد اردن نے بھی اسرائیل سے مذاکرات کیے، اس کے وجود کو تسلیم کیا اور امن معاہدہ کر لیا۔

- "گولان کی پہاڑیاں" واپس لینے کے لئے شام نے اسرائیل سے مذاکرات کئے۔ مگر اسرائیل گولان کی پہاڑیاں واپس کرنے پر رضامند نہیں ہوا، جس کی وجہ سے یہ مذاکرات کامیاب نہ ہو سکے، مبادا شام بھی اسرائیل سے امن معاہدہ کر چکا ہوتا۔

▪ امام خمینیؒ اور مسئلہ فلسطین:

امام خمینیؒ نے انقلاب سے قبل ہی اسرائیل کو ایک غاصب اور ناجائز ریاست قرار دیا تھا اور خمس کا پانچواں حصہ آزادیِ فلسطین کے لیئے مختص کر دیا تھا۔ انقلاب اسلامی کے بعد ایران نے اسرائیل سے اپنے تعلقات منقطع کر دیئے اور اسرائیل کے سفارتخانہ کو فلسطین کے سفارتخانے سے بدل دیا۔

امام خمینیؒ نے اگست 1979 میں بطور ولی امر فرمان جاری کیا کہ ہر سال تمام مسلمین ماہ رمضان کے آخری جمعہ کو "عالمی یوم القدس" کے طور پر منائیں۔ اس فرمان کے زریعے امام نے قدس کو عوام کے حوالے کیا۔ اس سے پہلے جب بھی قدس کی بات ہوتی تھی، وہ حکومتوں کی طرف سے ہوتی تھی۔ پہلی دفعہ امام نے نے امت کو میدان میں حاضر کیا۔ امام خمینی واقعاً" امام "تھے اور آپ نے امامت ہی کی ہے۔ امامت کا مطلب ہے امت کو میدان میں لانا اور ہر کام امت سے کروانا اور خود امت کی رہبری کرنا۔ اس سے قبل قدس دو طرح کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ پہلا مسئلہ قومیت کا تھا، چونکہ فلسطینی عرب تھے۔ لہذا مسئلہ فلسطین کو ایک عربی مسئلہ سمجھا جاتا تھا اور صرف عرب اس کی بات کرتے تھے۔ امام نے اسے ایک "عربی مسئلہ" کی حیثیت سے نکال کر ایک "اسلامی مسئلہ" بنا دیا بلکہ عالم اسلام کا سب

سے بڑا مسئلہ قرار دیا۔ دوسرا یہ کہ اس سے قبل ہمیشہ حکومتیں جنگ لڑتی تھیں۔ مسئلہ فلسطین حکومتوں کے مابین ایک مسئلہ تھا جبکہ امام نے حکومتوں سے لے کر اس کو عوام کے حوالے کر دیا۔

■ لبنان پر اسرائیلی قبضہ:

1982 میں اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا جس کا مقصد یہاں مقیم فلسطینی مجاہدین بالخصوص پی ایل او (Palestine liberation org) کے افراد کا قتل عام کرنا تھا۔ اسرائیل نے فلسطینوں پر مظالم ڈھائے اور لبنان پر بھی قبضہ کر لیا۔

● 1982 سے ہی حزب اللہ کا آغاز ہوتا ہے اس وقت شہید عباس موسوی ایران آئے اور امام خمینیؒ سے لبنان کے حالات پر رہنمائی طلب کی۔ امام خمینیؒ نے فرمایا کہ: "صفر سے کام شروع کرو۔"

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام کی صفر سے مراد کیا ہے؟ در حقیقت دو مبارز و الٰہی شخصیات (امام موسیٰ صدر اور شہید ڈاکٹر مصطفیٰ چمران) نے ایک موومنٹ شروع کی تھا جس کا نام "امل ملیشیا" تھا۔

شہید ڈاکٹر مصطفیٰ چمران

سید المغیب امام موسیٰ صدرؒ

امام موسی صدر کے غائب ہونے اور شہید چمران کی ایران واپسی کے بعد، اس امل ملیشیاء میں اسرائیل نے اپنے جاسوس گھسا دیے تھے جس کی وجہ سے اب یہ مبارز جماعت نہیں رہی تھی۔ یہ جماعت اب بھی لبنان میں ہے۔ اکثر اوقات لبنانی پارلیمنٹ کا سپیکر بھی اسی پارٹی سے ہوتا ہے۔ امام نے اس تناظر میں کہا کہ صفر سے کام شروع کرو، یعنی امل ملیشاء سے الگ ہو جائیں اور صفر سے کام کا آغاز کریں۔ شہید عباس موسوی اور بعض دیگر مبارزین نے امل ملیشیا سے الگ ہو کر اسرائیل کے خلاف مزاحمت اسلامی کا آغاز کر دیا۔ اسرائیل کے خلاف یہ مزاحمت 1982 میں ہی بیروت میں شروع ہو گئی تھی۔ ان مجاہدین کی تربیت کے لیئے امام خمینیؒ نے ایران سے پاسداران انقلاب کا ایک دستہ بھی بھیجا تھا۔ مجاہدین نے 1985 میں "حزب اللہ" کے نام سے اپنے وجود کا اعلان کیا۔

یہ مزاحمت اسلامی اس قدر مؤثر ثابت ہوئی کہ 1988 میں حزب اللہ نے بیروت سے اسرائیل کو نکال دیا۔ اس طرح اسرائیل کے خلاف تاریخ میں پہلی کامیابی ایک مٹھی بھر مجاہدین (حزب اللہ) کو نصیب ہوئی۔ حزب اللہ کو یہ کامیابی اس وقت نصیب ہوئی جب اسرائیل کو وجود میں آئے چالیس سال مکمل ہو چکے تھے اور تمام عرب ممالک اس کے سامنے ذلیل و رسوا ہو کر اپنی شکست تسلیم کر چکے تھے۔

جب حزب اللہ نے اسرائیل کے خلاف مزاحمت کا آغاز کیا تو عین اسی وقت امل ملیشیا نے اسرائیل کے ساتھ مصالحت کا رویہ اختیار کیا۔ حتی امل ملیشیا کے سربراہ فلیپ حبیب نے اسرائیل اور لبنانی حکومت

کے درمیان مذاکرات کروائے اور یہ معاہدہ کروایا کہ لبنان فلسطینی پناہ گزینوں کو اپنے ملک سے نکال دے گا۔ حزب اللہ اور امل ملیشیا دونوں ہی شیعہ جماعتیں تھیں لیکن ان دونوں کی راہیں جدا جدا تھیں۔ حتیٰ 1986 سے 1988 تک دو سال حزب اللہ اور امل ملیشیا کے درمیان مسلح جنگ بھی جاری رہی ہے۔ تاہم دو سال بعد آیت اللہ خامنہ ای کی کوششوں سے اس جنگ کو روکا گیا۔ آیت اللہ خامنہ ای اس وقت ایران کے صدر تھے۔

■Palestine Libeation Organisation (PLO):

فلسطینیوں کے پاس کوئی حکومتی ڈھانچہ یا اسمبلی تو موجود نہ تھی۔ اس ضرورتِ حکومت کے متبادل کے لیئے 1964 میں PLO کا قیام عمل میں آیا۔ PLO کو عالمی سطح پر فلسطین کا ترجمان سمجھا جاتا تھا۔ اس میں مختلف گرہ شامل تھے۔ جن میں سیاسی و عسکری طور پر سب سے مضبوط گروہ "الفتح" تھا جس کا بانی یاسر عرفات تھا۔ یاسر عرفات نے اعلان کیا کہ ہمارا مقصد اسرائیل کا خاتمہ اور پورے فلسطین میں ریاست فلسطین کا قیام ہے۔ اس کے لیئے انہوں نے اسرائیل کے خلاف مزاحمت کا اعلان کیا اور مختلف مسلح لشکر بنائے۔ یاسر عرفات چونکہ فلسطینیوں کا نمائندہ تھا اور اسرائیل کے خلاف ایک انقلابی موقف رکھتا تھا لہذا انقلاب اسلامی سے قبل اور انقلاب کے بعد، امام خمینیؒ نے یاسر عرفات کی کافی حمایت کی۔ حتی انقلاب کی کامیابی کے بعد وہ پہلا مہمان جس نے ایران آکر انقلاب کی مبارکباد پیش کی وہ یاسر عرفات تھا۔ جو انقلاب کی کامیابی کے صرف چھ روز بعد ایران پہنچا تھا۔ ایرانی عوام نے جس قدر جوش و ولول

کے ساتھ یاسر عرفات کا استقبال کیاوہ تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

■ یاسر عرفات کی اسرائیل سے مصالحت:

اسرائیل کے خلاف بیس/ بائیس سال مزاحمت کرنے کے بعد 1980 کی دہائی کے آخر میں یاسر عرفات نے مزاحمت ترک کر کے اسرائیل سے مصالحت کا رویہ اختیار کر لیا اور مذاکرات شروع کر دیئے۔ یہ مذاکرات امریکہ کی ثالثی سے انجام پائے۔ بالآخر 1993 میں تحریک آزادیِ فلسطین کے علمبر دار یاسر عرفات نے اسرائیل سے مذاکرات کیئے اور اسرائیل کے وجود کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بدلے چند فلسطینی علاقوں کا کنٹرول یاسر عرفات کو دے دیا گیا۔یعنی یاسر عرفات نے فلسطین کے 80

فیصد علاقوں پر اسرائیل کے تسلط کو قبول کر لیا اور اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ یاسر عرفات کے اس اقدام نے فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کو جواز فراہم کر دیا۔ یاسر عرفات کا یہ قدم بے گھر و بے آسرا فلسطینیوں کے زخموں کو ایک بار پھر ترو تازہ کرنے کے برابر تھا۔ یاسر عرفات جو کہ ایک وقت فلسطین کا مجاہد و مبارز قائد تصور ہوتا تھا اور عالم عرب کا ہیرو سمجھا جاتا تھا۔ اس کی اسرائیل کے ساتھ مصالحت نے یاسر عرفات کی شخصیت کو داغدار کر دیا اور فلسطینوں کو سوائے مایوسی کے، ان سے کچھ نہیں ملا۔ اسرائیل کے نجس وجود کو تسلیم کرنے اور 80 فیصد فلسطینی علاقوں پر اسرائیل کے تسلط کو جائز قرار دینے کے بدلے میں یاسر عرفات کو امریکہ کی طرف سے امن کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔ اس معاہدہ کے بعد پہلی بار چند محدود علاقوں پر ایک فلسطینی حکومت تشکیل پائی، جس کا سربراہ یاسر عرفات تھا۔ معاہدہ کے مطابق اسرائیل نے اس حکومت سے تعاون کیا اور اس کے استحکام کے لیئے مدد فراہم کی۔ اس کے بدلے یاسر عرفات کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ان مبارز گروہوں کے خلاف کاروائی کرے گا جنہوں نے ابھی تک اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا تھا اور اس کے خلاف مزاحمت کر رہے تھے۔ مطلب یہ کہ یاسر عرفات کی ذمہ داری اب اسرائیل کا دفاع تھا۔ جس کے لیئے انہوں نے فلسطین کے مزاحمتی بلاک کو کچلنا تھا۔ پس کس قدر مقام عبرت ہے کہ چند فلسطینی علاقوں کی حکومت کی لالچ میں آکر یاسر عرفات نے پورے فلسطین کا سودا کر دیا اور اسرائیل کے نجس وجود کو جائز قرار دے دیا۔ اس معاہدے کے بعد اپنے خطاب میں یاسر عرفات نے اسرائیلی درندہ صفت وزیر اعظم کو "امن پسند" اور امریکی صدر کو "حقوق بشر کا علمبردار" قرار دیا۔

اوسلو معاہدے میں یاسر عرفات بل کلنٹن کی موجودگی میں اسرائیلی وزیراعظم سے ہاتھ ملاتے ہوئے۔

● تاہم مقبوضہ علاقوں میں موجود مزاحمتی فورسز مثلاً حماس، جہاد اسلامی اور حزب اللہ نے ان معاہدوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور اسرائیل کے خلاف کاروائیاں جاری رکھیں۔

■ اسرائیل کے خلاف مزاحمت کا سفر:

1987 میں فلسطین میں انتفاضہ اول کا آغاز ہوا۔ یہ انتفاضہ کئی سال جاری رہا۔ اس انتفاضہ کے نتیجے میں فلسطینوں نے مختلف جگہوں پر اسرائیل کو پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ 1987 میں انتفاضہ کا جذبہ فلسطینیوں نے حزب اللہ سے لیا۔ قبل ازیں فلسطینی مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے۔ کیونکہ ان کی امیدیں عرب حکمرانوں سے لگی ہوئی تھیں جبکہ عرب ممالک بارہا اسرائیل سے شکست کھا چکے تھے۔ اور فلسطینیوں کی اپنی سب سے بڑی اور مبارز تنظیم "الفتح" (جس کے سربراہ یاسر عرفات تھے) بھی مزاحمت ترک کر کے اسرائیل سے مفاہمت کا راستہ اختیار کر چکی تھی۔ ایسے میں حزب اللہ کے مٹھی بھر جوانوں نے اسرائیل کے ناقابل شکست ہونے والے مفروضے کو غلط ثابت کرنا شروع کر دیا اور اسے

پہلی ذلت سے نواز دیا۔ اس سے فلسطینیوں میں جذبہ مقاومت پیدا ہو گیا اور انتفاضہ اول کا آغاز ہو گیا۔ اس انتفاضہ کے نتیجے میں:

☆ فلسطین میں "حماس" جیسی مبارز تنظیم وجود میں آئی۔ حماس الفتح کا ہی ایک ٹکڑا تھا جو انتفاضہ اول میں ان سے الگ ہو گئے اور اسرائیل کے خلاف مزاحمت اسلامی کو جاری رکھنے کا اعلان کر دیا۔

☆ اس انتفاضہ کے نتیجہ میں "مغربی کنارے" کے کافی علاقوں کو اسرائیل سے آزاد کرا لیا گیا۔ یہ پہلی دفعہ تھا کہ فلسطین نے اپنا کوئی علاقہ اسرائیل سے آزاد کروایا اور یہ کامیابی فلسطینیوں نے اپنی جدوجہد سے ہی حاصل کی۔ اور یہ جذبہِ مزاحمت فلسطینیوں نے حزب اللہ سے لیا تھا۔

● حزب اللہ نے اپنی مزاحمت جاری رکھی اور اسرائیل اس مزاحمت کا مقابلہ نہیں کر سکا اور 2000 میں حزب اللہ نے پورے لبنان سے اسرائیل کو نکال دیا اور یہ حزب اللہ کی دوسری اور ایک واضح و آشکار کامیابی تھی۔

اس انخلا کے بعد فتح کا جشن منانے کے لیئے ایک بہت بڑا عوامی اجتماع ہوا جس سے سید مقاومت سید حسن نصر اللہ نے خطاب کیا. اس جشن میں سید نے فلسطینی عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ اسرائیل جو ایٹمی طاقت ہے اور خود کو ایک علاقائی طاقت سمجھتا ہے حقیقت میں مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہے"

جنگ میں فتح کے بعد سید حسن نصر اللہ جنرل قاسم سلیمانی کے ہمراہ امام خامنہ ای کو مٹھائی پیش کرتے ہوئے

اس خطاب میں سید نے انہیں اسرائیل کے خلاف مزاحمت جاری رکھنے پر تاکید کی۔

● حزب اللہ کی اس کامیابی سے متاثر ہو کر اسی سال (2000 میں) فلسطین میں اسرائیل کے خلاف انتفاضہ دوم شروع ہو گیا. اور اس انتفاضہ کے نتیجہ میں 2005 میں غزہ پٹی کو اسرائیل سے آزاد کرا لیا گیا۔

■ خلاصہ ءکلام:

پس یہ ہے فلسطین پر ڈھائی جانے والی داستانِ ظلم۔۔۔ ان تمام تر مظالم کے نتیجے میں صرف 15 لاکھ فلسطینی اس وقت فلسطین کے مختلف علاقوں میں آباد ہیں جو آئے روز اسرائیل کے طرح طرح کے مظالم کا سامنا کرتے ہیں۔ اس وقت تقریباً 70 لاکھ فلسطینی اپنے ملک سے باہر دربدر کی ٹھوکریں کھا رہیں۔ کوئی ملک انہیں قبول کرنے اور عزت دینے کو تیار نہیں۔ ان میں کچھ اردن، کچھ لبنان، کچھ شام، کچھ مصر اور بعض دیگر ممالک میں آباد ہیں. وہاں یہ مظلوم فلسطینی مہاجر کیمپوں میں مقیم ہیں. اپنی سرزمین ان سے چھینی جاچکی ہے، اپنی شناخت کھوچکے ہیں۔ غریب الوطنی کے عالم میں دربدر پھر رہے ہیں۔ دیگر اقوام بھی مظلوم ہیں مگر سب اپنی سرزمین پر مظلوم ہیں۔ اس قدر فقیروں کی طرح دربدر پھرائے جانے کا ظلم اور کسی قوم کے ساتھ نہیں ہوا۔ ایسا کسی قوم کے ساتھ نہیں ہوا کہ انہیں ان کے ملک سے نکال کر دنیا بھر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر لجوج اور کثیف لوگوں کو ان کی جگہ آباد کر دیا جائے۔ اس لیئے ملت فلسطین مظلومیت کا ایک ماڈل ہے۔اس دوران عرب حکمرانوں کی خیانتوں اور فلسطینی لیڈروں کی غداری نے ان مظلومین کے دلوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ اگر کسی نے ان مظلومین کے زخموں پر مرحم رکھا ہے اور ان کی دلجوئی کی ہے تو وہ صرف "انقلاب اسلامی" ہے۔ وہ صرف قائد انقلاب امام خمینی ہیں اور فرزندان خمینی ہیں۔

نوٹ:

اس کے بعد حزب اللہ اور اسرائیل کی تینتیس روزہ جنگ (2006)، غزہ کے ساتھ اسرائیل کی بائیس روزہ جنگ (2008)،2011 سے شام میں اسرائیل اور حزب اللہ کی نیابتی جنگ، ڈونلڈ ٹرمپ کے بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کا اعلان اور فلسطین کے حوالہ سے ہونے والی سو سالہ ڈیل۔۔۔ یہ وہ واقعات ہیں جن سے ہمارے اکثر جوان آگاہ ہیں اس لیئے ہم انہیں یہاں بیان نہیں کریں گے ورنہ گفتگو کافی طوالت کا شکار ہو جائے گی۔

سوال نمبر 3: یوم القدس کی اس قدر اہمیت کیوں ہے؟ اور بنیادی ترین چیز کہ ہم ان کی کیوں حمایت کرتے ہیں؟

حمایتِ فلسطین کی عمومی وجوہات

اس کے لئے ایک بنیادی ترین فرمان ہے۔ جو کہ شیعہ و سنی کتابوں میں ہے۔ تمام مکاتبِ فکر نے اس کو نقل کیا ہے۔ رسول ختمیِ مرتبت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

- "جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ مسلمانوں کے امور کی فکر نہ کرے، وہ مسلمان نہیں ہے"۔ (بحارالانوار)

اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ، مسئلہِ قدس و فلسطین ہے۔ یہ سب سے بڑا اجتماعی مسئلہ ہے۔ مسلمان و شیعہ ہونے کے ناطے ہمارا یہ فرض ہے کہ اس پر گفتگو کریں، انہیں اپنی محفلوں میں زیر بحث لائیں اور دیگر مسلمانوں کو اس ضمن میں آگاہ کریں۔

اسی لئے رہبر معظم آیت اللہ العظمٰی سید علی خامنہ ای اس بابت فرماتے ہیں کہ " فلسطین کی حمایت سیاسی نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں کا اعتقادی مسئلہ ہے۔"

- ہم قدس کی حمایت کے لئے آواز اٹھانے پر زور کیوں دیتے ہیں؟

رسول اکرم صلی اللہ وعلیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ "مسلمان ایک جسدِ واحد کی مانند ہیں، اگر بدن کے ایک حصے کو تکلیف ہو تو پورا جسم بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

مظلومین کی دادرسی کے بارے میں امام علیؑ کی اپنے فرزندان مبارک کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ "بیٹا (حسن و حسینؑ) ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرنا اور ظالم کی مخالفت کرنا"

پس فلسطینی اول تو مسلمان ہیں اور دوم وہ مظلوم ہیں، جن کو ان کی اپنی ہی سرزمینوں سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ پس ان کی حمایت فقط سیاسی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اسلام کا اعتقادی مسئلہ ہے اور فلسطینیوں کی حمایت مسلمانوں پر واجب ہے۔

فرض کریں کہ گلگت بلتستان کے باسی جو صدیوں سے اس سرزمین پر آباد ہیں، ایک سوچے سمجھے مذموم منصوبے کے تحت وہاں آباد لوگوں کو رات ورات ان کے گھروں سے نکال باہر کیا جائے، ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیا جائے اور ان کے بیوی بچوں کو دربدر کر دیا جائے، ان کے جوان شہید کر دیئے جائیں اور ان کو دیس سے نکال دیا جائے یا کیمپوں میں رہنے پر مجبور کر دیا جائے تو ان کی کیا حالت ہو گی۔ یہی آج فلسطین کی حالت ہے، فلسطینی کئی دہائیوں سے کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ 1918 میں یہ ظلم شروع ہوا اور آج تک ان کی کئی نسلیں انہی کیمپوں میں پیدا ہو کر جوان ہو چکی ہیں، اور کئی نسلیں اپنے گھروں کو پلٹنے کی آس میں اس جہان سے رخصت ہو چکے ہیں۔

پس وہ مظلوم ہیں اور امیر المومنینؑ کے فرمان "مظلوم کی حمایت کرو۔" کے مطابق مسلمانوں پر ان کی مدد واجب ہے۔

- ولی امر المسلمین آیت اللہ سید علی خامنہ ایؒ فرماتے ہیں کہ "اگر اسلامی سرزمین کا کوئی ٹکڑا کفار کے قبضے میں چلا جائے تو سب مسلمین پر واجب ہے کہ اس کو آزاد کرائیں۔" اب یہ حکم صرف اہل فلسطین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ سب اہل ایمان پر واجب ہے کیونکہ وہ مسلمان ہیں اور ملت اسلامیہ کے جسم کا حصہ ہیں، پس ان کے لیے تکلیف محسوس کرنا اور ان کے حق میں قیام کرنا، اسلامی غیرت و حمیت کا لازمہ ہے۔ اگر اس کا دفاع نہیں کر سکتے تو ان سے اظہار یکجہتی کرنا، ان کو اخلاقی مدد مہیا کرنا، ان کے حق میں ریلیاں نکالنا واجب ہے اگرچہ یہ قیام وجوب کا سب سے کم تر درجہ ہے۔ ہدف یہی ہے کہ قدس کو ہر صورت واپس لینا ہے۔

حمایتِ فلسطین کی خصوصی وجوہات:

- وجودِ اسرائیل علامتِ ذلتِ مسلمینِ جہاں:

اگر مومنین آج دنیا کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں تو وہ دیکھیں گے کہ اسرائیل کے چاروں اطراف میں مسلم ریاستیں ہیں۔ اس صورتحال کے باوجود کس طرح باہر سے آ کر کچھ لجوج اور کثیف و خبیث لوگ مسلمانوں کی زمینوں پر قابض ہو جاتے ہیں اور ایک جعلی صیہونی ریاست وجود میں آ جاتی ہے۔ اور یہاں

کے مقامی باشندوں کو اپنی ہی سرزمین سے باہر نکال دیا جاتا ہے اور وہ در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ کیا یہ مسلمانوں کی اسلامی غیرت پر ایک سوال نہیں ہے؟

کیا یہ ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے لیے ننگ و عار نہیں ہے؟

کسی کی حیثیت کو پرکھنے کے لئے کچھ چیزیں indicator (علامات) ہوتی ہیں، مثلاً اگر آپ ایک شخص کی شخصیت کو پرکھنا چاہتے ہیں، تو اس کے انڈیکیٹر یہ ہیں کہ اس کا لباس، بول چال وغیرہ۔ مسلمانوں کی ذلت کا انڈیکیٹر اسرائیل ہے۔ اگر عزت چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ذلت کے مینار کو ختم کرنا پڑے گا۔ اور وہ ذلت کا معیار اسرائیل ہے۔

■ قبلہ اول اور اس کی حرمت

قدس کوئی عام سرزمین نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ وہاں رسول اللہ نے دوران سفر معراج نماز ادا کی ہے۔ مسلمانوں نے کئی برس اس سمت روبہ قبلہ ہو کر نمازیں پڑھی ہیں۔ صد حیف کہ آج اس کے اوپر اسرائیل کا جھنڈا لگا ہوا ہے۔ یہ فقط جھنڈا نہیں ہے بلکہ یہ مسلمان حکومتوں کے وجود پر لعنت اور اسلامی غیرت و حمیت کے چہرے پر ایک بد نما طمانچے کا نشان ہے۔

گویا کسی بستی میں مومنین کے تمام گھر محفوظ ہوں لیکن ان کی مرکزی مسجد پر صیہونیت کا جھنڈا لگا ہوا ہو تو ان کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہو گا۔ پس اگر آج ہم اسلام اور مسلمین کو عزت دینا چاہتے ہیں تو پہلے ذلت کے اس مینار کو مٹانا ہو گا۔

قدس نقطہِ آغازِ نہضت بیداری اسلام:

الٰہی رہبر وہ ہوتا ہے جو کسی ایسے واقعہ کا انتخاب کرتا ہے جس میں اتنی طاقت و استعداد ہو کہ اسے نہضت (تحریک) میں بدلا جا سکے۔ مثال کے طور پر کربلا بپا ہوا، امام حسینؑ شہید ہوئے۔ بی بی زینبؑ اور تمام آئمہؑ نے اسے ایک واقعہ نہیں رہنے دیا۔ بلکہ اسے ایک نہضت میں بدل دیا۔ اور وہ نہضت نہضت عزاداری ہے (جو کہ بدقسمتی سے آج رسمِ عزاداری بن چکی ہے)۔ امام خمینی مسلمینِ جہاں کی بیداری کے لئے ایک عالمی نہضت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ امام خمینی نے عالمی نہضت کے لئے قدس کو بنیاد قرار دیا

کیونکہ اس میں اتنی طاقت تھی۔ کیونکہ ایک تو یہ تمام مسلمانوں کا قبلہ اول ہے اور دوسرا یہ اسلامی سرزمین ہے۔ پس کسی غاصب کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ یہاں قبضہ جمائے۔ لہذا مسئلہِ قدس کے اندر اتنی طاقت تھی کہ یہ ایک عالمی نہضت کو جنم دے سکے۔ آپ نے اس کے لئے ماہ رمضان کا انتخاب کیا جو کہ ماہِ انقلاب ہے۔ اس میں آدمی کی شخصیت میں انقلاب آتا ہے۔ روزہ آدمی میں تقویٰ پیدا کرتا ہے۔ اور جب یہ مہینہ اپنے اختتام پر ہو تو آدمی ایک خاص طبیعت میں ہوتا ہے۔ اس وقت آدمی میں اتنی طاقت آچکی ہوتی ہے کہ ایک عالمی قدم اٹھا سکے۔ اس لئے آپ نے جمعۃ الوداع کا انتخاب کیا۔ پس اس نہضت کا محرک مسئلہِ قدس تھا۔ مگر ہدف صرف فلسطین تک محدود نہیں ہے۔ ہدف بہت وسیع ہے۔ اس کا ہدف تمام امت میں شعور اور بیداری پیدا کرنا ہے۔ اور امت کو ان پر مسلط بیرونی یا اندرونی شیطانوں سے آزاد کرانا ہے۔

اس لئے رہبرِ مسلمینِ جہاں امام خامنہ ای حقیقتِ یوم القدس کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"یوم القدس فقط آزادی فلسطین سے مخصوص نہیں بلکہ اس سے مراد تمام جہانِ اسلامی کی آزادی ہے"

پس قدس ایک سمبل ہے۔ قدس کی آزادی یعنی تمام مظلومینِ جہاں کی آزادی ہے۔ جب قدس آزاد ہو گا اور امام کفر اسرائیل کا خاتمہ ہو گا تو دیگر مظلوم اقوام بھی آزاد ہو جائیں گی۔ پس مظلومینِ جہاں کی بیداری و آزادی کے لئے امام خمینیؒ کی اسٹریٹیجی کا نام "عالمی یوم القدس" کا انعقاد ہے۔

سوال:4 ولیِ فقیہ کا فرمان کس طرح واجب ہو سکتا ہے؟

جواب: صرف خدا کا حکم واجب ہے۔ نظامِ توحید میں صرف اطاعتِ خدا واجب ہے۔ انبیاء و آئمہ کی اطاعت کا حکم بھی اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ انبیاء و آئمہ کا فرمان دراصل حکمِ خدا ہے۔ انبیاء و آئمہ اپنی بات نہیں کرتے۔ یہ حکمِ خدا کو عباد اللہ تک پہنچاتے ہیں اس لئے ان کی اطاعت کو لازمی و واجب قرار دیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں چونکہ انبیاء موجود نہیں ہیں اور امام آخر الزماں چونکہ غیبت میں ہیں اس لئے ان سے براہ راست رابطہ ممکن نہیں اور فرمانِ خدا بازبانِ فقیہ ہم تک پہنچا ہے۔ ولیِ فقیہ نے امرِ خدا کو تشخیص دے کر اس کے بارے میں فرمان جاری کیا اس لئے اس کی اطاعت واجب ہے۔ کیونکہ دراصل یہ فرمانِ خدا ہی ہے جو ولی فقیہ نے تشخیص دیا ہے۔ یہاں اطاعت ولی کی ذات کی نہیں بلکہ فقہ کی اور خدا کی اطاعت ہے۔

جس طرح شہید مطہری امرِ خدا کو اس طرح تشخیص دیتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ زندہ ہوتے تو سب سے زیادہ حساسیت جس مسئلہ پر دکھاتے وہ مسئلہِ قدس ہے۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر امام راحلؒ نے قدس کی خاطر آواز بلند کرنے کا فرمان جاری فرمایا۔ یہ حکم اگرچہ امام خمینیؒ کی زباں سے جاری ہوا ہے لیکن یہ حکم امرِ خدا ہے اس لئے اس کی اطاعت واجب ہے۔

سوال نمبر5:: یوم القدس کے حوالے سے مختلف شخصیاتِ اسلام کے فرمواداتِ گراں قدر کیا ہیں؟

امام خمینی نے فرمایا کہ **یوم القدس یوم اللہ ہے، یوم رسول اللہ ہے، یوم اسلام ہے۔ جو یوم القدس نہیں منا تا وہ استعمار کا خدمت گزار ہے۔**

امام خامنہ ای فرماتے ہیں "روز قدس اسلامی سرزمینوں کی فضائیں مردہ باد امریکہ اور مردہ باد اسرائیل کے نعروں سے گونج اٹھنی چاہیئیں۔

اسی طرح شہید مطہری فرماتے ہیں کہ

"آج اگر رسول اللہ زندہ ہوتے تو سب سے زیادہ غمگین اسی قدس کے مسلے پر ہوتے"۔

اور یہ کہ

"اگر یوم القدس نماز، روزہ جتنا واجب نہیں تو کم از کم اس جتنا ضرور واجب ہے"۔

سید مقاومت سید حسن نصر اللہ فرماتے ہیں کہ "ہم فلسطین نہیں چھوڑیں گے۔ ہم قدس کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم فلسطین میں امت کے مقدسات کو نہیں چھوڑیں گے"

استاد محترم سید جواد نقوی ارشاد فرماتے ہیں "روزِ قدس روزِ اظہارِ غیرتِ اسلامی ہے۔"

سید ہاشم الحیدری فرماتے ہیں "ہر گز ہم قبول نہیں کریں گے کیونکہ قدس ہمارا ہے اور ہمارا رہے گا۔ ہمارا یہی نعرہ ہے۔"

شہید راغب حرب جو کہ شہید عباس موسوی سے پہلے لبنان میں مزاحمتِ اسلامی کے لیڈر تھے، اسرائیلوں سے ہاتھ نہیں ملاتے تھے بلکہ اپنا ہاتھ کھینچ لیتے تھے اور فرماتے کہ تمہیں ہاتھ ملانے کا مطلب تمہارے وجود کو تسلیم کرنا ہے اور ہم تمہیں تسلیم ہی نہیں کرتے۔

سید عبد المالک الحوثی فرماتے ہیں کہ "مسجد اقصیٰ فقط ایک ملت کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ طاغوتی و استکباری طاقتوں کے ساتھ مبارزے کے حساس مرحلے کی علامت ہے"

شیخ الشہید باقر النمر فرماتے ہیں" یوم القدس صیہونیت کے رد اور فلسطین کی فکری ، مادی اور اخلاقی حمایت کی تجدید کا دن ہے۔"

شہید عباس موسوی امام کے فرمان کہ اسرائیل شر مطلق ہے، تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روایات کے مطابق اللہ خیر مطلق ہے یعنی خدا سب کا سب خیر ہے، خدا سے خیر کے علاوہ کوئی امید نہیں کی جاسکتی اور یہاں امام نے کہا کہ اسرائیل شر مطلق ہے، اسرائیل سارے کا سارا شر ہے، اس کے ہر عمل سے شر ٹپکتا ہے۔ یعنی خیر مطلق کے سامنے جس شر مطلق نے خروج کیا ہے، وہ یہی اسرائیل ہے۔

سوال نمبر 6: امام خمینیؒ نے یوم القدس کو ماہِ رمضان میں ہی کیوں رکھا ہے؟

استاد محترم سید جواد نقوی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پر کافی سوچا کہ امام نے رمضان میں ہی یوم القدس کیوں رکھا؟ حالانکہ ان ایام میں لوگوں کیلیئے سخت گرمی میں اپنے گھروں سے باہر آنا، ریلیاں نکالنا اور آواز بلند کرنا زیادہ سخت تھا بجائے اس کے امام کسی اور ماہ میں یوم القدس رکھ لیتے۔ استاد محترم فرماتے ہیں کہ یہ سوال بہت سخت تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ امام کے ہر کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔ استاد محترم سید جواد نقوی فرماتے ہیں کہ اس دوران جب کھانا کھاتا تھا تو کھانا حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا، مطالعہ کرنے بیٹھتا تھا وہ متاثر ہوتا تھا، سارا معمول متاثر ہوتا تھا کیونکہ ذہن میں وہی ایک سوال گردش کرتا رہتا تھا۔

پھر کافی غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ روزہ انسان کو نفس کی قید سے آزاد کرتا ہے۔ اور ایک آزاد انسان ہی قدس آزاد کر سکتا ہے۔ ایک غلام انسان کچھ آزاد نہیں کروا سکتا بلکہ وہ صرف مقدسات کو فروخت کر سکتا ہے۔ اسی لیے امام نے رمضان کے آخری جمعہ کو یوم القدس رکھا کہ جب تمام ماہ روزے رکھ کر آزادی حاصل کر لی ہے تو اب میدان میں آجاو تاکہ آزاد ہو کر بیت المقدس کو آزاد کرانے کی آواز بلند کی جائے۔

سوال نمبر 7: یوم القدس پر اٹھائے جانے والے بیشتر اعتراضات کیاہیں؟ اور ان کا کس طرح جواب دیا جائے؟

اب ہم مختلف اعتراضات کی طرف بڑھتے ہیں جو کہ یوم القدس پر اٹھائے جاتے ہیں۔

1۔ فلسطینی عرب ہیں، جبکہ ہم نہ عرب ہیں اور نہ فلسطینی تو ہم ان کی حمایت میں آواز کیوں اٹھائیں؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اللہ تعالی نے انبیاء اور آئمہ عرب میں بھیجے تو پھر ہمیں نعوز باللہ ان کو بھی نہیں ماننا چاہیے بلکہ اپنے علاقائی اور قومی امام چننے چاہیئں۔ یہ قومیت کی حدود انسان ساختہ ہیں اور امام زمانہ کی نصرت میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی قومیت ہے۔ کیونکہ امام کسی ایک قوم کے امام نہیں ہوں گے اور امام کا ہدف بھی کوئی قومی نہیں بلکہ عالمی و جہانی ہدف ہو گا اس لئے قوم پرست امامؑ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اسی طرح یہ بارڈر انسان کے اپنے بنائے ہوے ہیں، خدا نے تو یہ نہیں بنائے، بلکہ قرآن پاک کے بقول خدا نے اس زمین کو جمعیاً یعنی سب کے لئے بطور کلی خلق کیاہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ 29

یعنی وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو جمیعاً (یعنی بطور کلی) خلق کیاہے۔

پس اسلام میں ان بارڈرز اور قومیتوں کا کوئی تصور نہیں ہے۔

اسی طرح امام خمینی ارشاد فرماتے ہیں کہ

"رسول اللہ اور حضرت علی نے جو بت توڑے وہ مورتی کے بت تھے اور ہم نے جو بت توڑنے ہیں وہ قومیت کے بت ہیں۔"

اسی طرح رسول اللہ کی حدیث ہے کہ

"جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ وہ مسلمانوں کے امور کی فکر نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے"(بحارالانوار)

اسی طرح امام علیؑ نے اپنی وصیت میں فرمایا کہ

"بیٹا(حسن و حسین)ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرنا اور ظالم کی مخالفت کرنا"

یہاں پر عرب غیر عرب، مسلمان غیر مسلم کی شرط نہیں لگائی گئی بلکہ کہا کہ جو بھی مظلوم ہو اس کا ساتھ دینا اور ظاکم کے مخالف رہنا۔

ان فرامین کے پیش نظر ہماری دینی ذمہ داری بن گئی ہے کہ ہم مظلومین کی حمایت کریں اسی لئے ہم فلسطین کی حمایت کرتے ہیں۔

2۔ فلسطینی سنی ہیں، جبکہ ہم شیعہ تو ہم ان کی حمایت کیوں کریں؟

یہ بات درست ہے کہ فلسطینی سنی ہیں اور کسی حد تک متعصب سنی ہیں۔اور یہ بھی حقیقت ہے کہ فلسطین میں کوئی شیعہ آباد نہیں ہے۔

آیا ہم انہیں مسلمان نہیں مانتے؟ کیا فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق مسلمان ایک جسم کی مانند نہیں ہیں کہ ایک حصے کے تکلیف میں ہونے سے پورا بدن درد محسوس کرتا ہے؟ کیا ان کے سنی ہونے سے ہماری ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے؟ کیا امام علیؑ نے یہ شرائط لگائی تھی کہ صرف اس مظلوم کی مدد کرنا جو تمہارا ہم مسلک ہو؟ بلکہ امام علیؑ کی حکومت میں جب ایک یہودی عورت کے پاؤں سے پازیب چرایا گیا تو امام علیؑ نے لشکرِ اسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ایک اسلامی قلمرو میں ایک یہودی عورت کے پاؤں سے پازیب چرالیا جائے۔ پس امام علیؑ کے لئے یہ بات گوارہ نہیں ہے کہ ایک یہودی عورت کے پاؤں سے بھی پازیب چرایا جائے تو امام علیؑ یہ کس طرح گوارا کرسکتے ہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں بے گناہ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال کر دربدر پھرایا جائے۔
پس آئمہ کی فکر کے اندر تمام مظلومین کی حمایت شامل ہے نا کہ اپنے فرقہ، قوم و نسل کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیعہ اسلام کا کوئی فرقہ نہیں ہے بلکہ شیعہ اسلام کا عنوان ہے۔ اور تشیع محافظِ اسلام اور علمبر دارِ محافظِ مقدساتِ اسلام ہے۔ پس جہاں بھی ظلم ہو شیعہ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان کا دفاع کرے۔ اور آج واقعاً ایسا ہی ہے مثلاً انقلابِ اسلامی کے بعد سے اب تک پچھلے چالیس سالوں میں صرف تشیع نے ہی امریکہ و اسرائیل کے خلاف مزاحمت کی ہے اور صرف شیعہ ہی مقدسات اسلام کے دفاع میں برسرِ پیکار ہیں۔ پس یہی وجہ ہے کہ آج تمام مغربی، غربی اور عبری شیاطین تشیع کے خلاف صف آراء ہو چکے ہیں۔

پس چونکہ فلسطینی مظلوم ہیں۔ اس لئے ان کی حمایت ہم پر واجب ہے۔ اگر وہ مظلوم نہ بھی ہوتے تو کیا ہم اپنے قبلہ اول کو بھی چھوڑ دیتے؟ ہرگز نہیں۔ ہم تب بھی قبلہِ اول کی آزادی اور سربلندیِ اسلام

کے لئے جدوجہد کرتے۔ پس خود مکتب تشیع ہم سے یہ تقاضہ کرتا ہے کہ ہم مظلومینِ فلسطین کی حمایت اور قبلہِ اول کی حرمت کے لئے آواز بلند کریں۔

3۔ جتنی آواز ہم فلسطین کے لئے اٹھاتے ہیں اتنی کشمیر، یمن وغیرہ کے لئے کیوں نہیں اٹھاتے ؟

اس سوال کا جواب ہماری پچھلی گفتگو میں آگیا ہے کہ فلسطین کا مسئلہ عالمی نہضتِ بیداری کے لئے نقطہ آغاز ہے، جس طرح کربلا کا واقعہ آگے کی نہضت کیلئے نقطہ آغاز تھا لہذا جب فلسطین آزاد ہو گا تو تمام جہانِ اسلام بھی آزاد ہو گا، دوسرا یہاں قبلہ اول ہونے کی وجہ سے اس کی ایک خاص اہمیت ہے۔ پھر یہ کہ یہ ایک علامت ہے پس ہم یہاں یہ کہیں گے کہ ہمیں تمام مظلومین کی حمایت میں آواز اٹھانی چاہئے خواہ وہ زمین کے کسی بھی کونے میں آباد ہوں، اور کسی بھی قوم و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں لیکن فلسطین کی اہمیت جداگانہ ہے۔ اس کا کسی اور سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مکمل وضاحت پہلے مفصل بیان کی جاچکی ہے۔ لہذا مزید رہنمائی کے لئے پچھلے سوالوں کی طرف رجوع کریں۔

4۔ ہماری ریلی نکالنے اور مردہ باد امریکہ و اسرائیل کہنے سے کیا ملے گا؟

- یہ ایک اعتقادی فریضہ ہے۔ آپ جو کچھ بھی کر سکتے ہیں وہ کریں، یہ جلوس نکالنا اور مردہ باد کہنا تو سب سے کم تر قدم ہے۔ اولین تو یہ ہے کہ اس کو آزاد کرایا جائے۔
- امام خمینی نے یوم القدس کے حکم کے زریعے قضیہِ فلسطین کو عوام کے حوالے کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے فلسطین کے اندر انتفاضہ اول، دوم، سوم نے جنم لیا۔ انتفاضہِ اول نے فلسطین کا سب سے بڑا علاقہ مغربی کنارہ کو اسرائیل سے آزاد کروایا۔ اور اسی انتفاضہ نے حماس جیسی مبارز تنظیم کو وجود بخشا کہ جو آج اسرائیل کے وجود کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ انتفاضہ دوم کے نتیجے میں غزہ پٹی کو اسرائیلی تسلط سے آزاد کرایا گیا۔ اور آج یہی غزہ اسرائیل کے خلاف مزاحمت کا علم بن کر سامنے آیا ہے۔ اور انتفاضہ سوم ابھی جاری ہے۔
- امام خمینی کے اسی فرمان نے لبنان کے اندر اپنی سرزمین کے دفاع اور مزاحمتِ اسلامی کا جذبہ پیدا کیا جس کے نتیجے میں 2000 میں لبنان کی سرزمین کو اسرائیلی غاصبانہ تسلط سے آزاد کرایا گیا۔
- پھر یہ کہ یوم القدس نے مسئلہ فلسطین کو اقوامِ عالم کے درمیان زندہ رکھا ہے۔ یوم القدس سے عالمی سطح پر اسرائیل کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوا ہے اور فلسطین کی حمایت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ایک سروے کے مطابق اقوامِ عالم کے نزدیک اسرائیل دنیا کا چوتھا منفور ترین (قابل نفرت) ترین ملک ہے۔ پس یہ سب یوم القدس کی برکت سے ہوا ہے۔ آج قومیں بیدار ہو رہی ہیں اور بقاء کے حوالے سے اسرائیل اپنی تاریخ کے سب سے سنگین خطرات سے دوچار ہے۔

- جب آپ مظلومینِ فلسطین کی حمایت میں ریلی نکالتے ہیں اور شعار بلند کرتے ہیں تو یہ عمل مظلومینِ فلسطین کے زخموں پر مرہم کا کام کرتا ہے۔ اس سے ان کے اندر مقاومت کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور وہ اس مزاحمت میں تنہا محسوس نہیں کرتے اور خیال کرتے ہیں کہ اس کرب کو ان کے مسلمان بھائی ہماری طرح محسوس کرتے ہیں اور ان کے مسلمان بھائی بھی ان کے شانہ بشانہ ساتھ کھڑے ہیں۔
- اگر قدس آزاد نہ بھی ہو تب بھی ریلی نکال کر فلسطین کی حمایت کر کے اور مردہ باد امریکہ و اسرائیل کا شعار بلند کر کے ہم اپنے ضمیر کی آزادی کا ثبوت تو پیش کریں گے۔ ہمارا فریضہ حتیٰ المقدور کوشش کرنا ہے۔ اور وہ ہمیں جاری رکھنی چاہئے۔

سوال 9: بالآخر مسئلہ فلسطین کا راہ حل کیا ہے؟

جواب:

■ مسئلہ فلسطین کے راہ حل کے لیئے امریکہ اور اس کے حواریوں کی تجویز

"دو ریاستی راہ حل"

(Two State Solution)

اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف "مغربی کنارے" اور "غزہ پٹی" پر فلسطینی ریاست تشکیل دی جائے۔ اس کے علاوہ باقی سب اسرائیل ہو گا۔ فلسطین سے باہر مقیم فلسطینیوں کو فلسطین واپس نہیں آنے دیا جائے گا۔جو فلسطینی اس وقت فلسطین میں آباد ہیں صرف یہی فلسطینی شہری تصور ہوں گے۔ فلسطین کی کوئی فوج نہیں ہو گی۔ فلسطینی حکومت کا وزیر خارجہ نہیں ہو گا۔ ان کی کوئی خارجہ پالیسی نہیں ہو گی۔ ان کی حکومت اسرائیل کے تابع ہو گی۔ فلسطینی ریاست کا دفاع اسرائیل کے ذمہ ہو گا اور اس کے بدلے فلسطین اسرائیل کو ٹیکس (جزیہ) ادا کرے گا۔ جبکہ یروشیلم (بیت المقدس) اسرائیل کا دارالحکومت ہو گا۔ اس وقت تمام عرب ممالک امریکہ کے ساتھ اس راہ حل پر متفق ہیں۔ اور اسی راہ حل کی درپردہ کوششیں کررہے ہیں۔ اس راہ حل میں میں رکاوٹ صرف جبہ مقاومت (Axis of Resistance) ہے۔ یعنی ایران، سوریا، حزب اللہ اور غزہ میں موجود مجاہدین اسلام (حماس اور جہاد اسلامی) اس راہ میں رکاوٹ ہیں۔ جبکہ مغربی کنارے میں الفتح کی حکومت اور اس کا سربراہ محمود عباس اس خیانت پر راضی ہو چکے ہیں۔

■ ایک ریاستی راہ حل

(One State Solution):

ایک راہ حل یہ پیش کیا جاتا ہے کہ صرف ایک ریاست ہو. اور وہ ریاست "اسرائیل" ہو. فلسطینی علاقے یعنی مغربی کنارے اور غزہ کو اسی میں ضم کر دیا جائے اور فلسطینیوں کو اسرائیلی شہریت دی جائے۔ اس راہ حل کو نا صرف یہ کہ جبہ مقاومت قبول نہیں کرے گا بلکہ خود اسرائیل بھی اس راہ حل کا مخالف ہے۔ کیونکہ فلسطین کے اسرائیل میں ضم ہونے کی صورت میں اسرائیل ایک یہودی ریاست نہیں رہے گا، بلکہ فلسطینی مسلمان بھی اس کے شہری ہوں گے. اور یہ بات Zionism کی آئیڈیالوجی کے خلاف ہے۔ ان کی آئیڈیالوجی کے مطابق صرف یہودی اسرائیل کے شہری ہو سکتے ہیں۔ حتی اسرائیل کے آئین میں لکھا ہے کہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں کوئی بھی یہودی جب چاہے اسرائیل کی شہریت اختیار کر سکتا ہے۔ جبکہ کوئی بھی غیر یہودی اسرائیل کا شہری نہیں بن سکتا۔ یہودی در حقیقت نسل پرست ہیں اور یہودیت کو بھی ایک خاص نسل سے ہی مخصوص سمجھتے ہیں۔

■ امام خامنہ ای کے مطابق مسئلہ فلسطین کا راہ حل:

امام خمینی نے اسرائیل کو ایک ناجائز اور جعلی ریاست قرار دیا اور اسے "جرثومہ ٔسرطان" (Cancer Tumor) سے تشبیہ دی۔ اور جرثومہ سرطان کا علاج اسے جسم سے کاٹ دینا ہوتا ہے۔ ولی امر مسلمین امام خامنہ ای نے اس موقف کی مزید وضاحت کی کہ اس مسئلہ کا واحد راہ حل اسرائیل کا محو ہونا ہے۔ سرائیل کا صفحہ ہستی سے نابود ہونا ہے. تمام مقبوضہ علاقوں میں ریاست فلسطین قائم ہونی ہے اور بیرون ملک مہاجر کیمپوں میں رہنے والے فلسطینیوں کو اپنے وطن واپس پلٹانا ہے۔

● یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ "اسرائیل" کے صفحہ ہستی سے مٹنے سے مراد ریاست اسرائیل کا خاتمہ ہے۔ نا کہ اسرائیل میں آباد تمام یہودیوں کا قتل عام ہے۔ امام خامنہ ای اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ:

"ہم یہ نہیں کہتے کہ اسرائیل میں موجود یہودیوں کو قتل کر دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے. یہ کوئی حل نہیں اور نا ہم نے کبھی ایسی بات کی۔"

(نوٹ: اس فرمان میں مصری قوم پرست لیڈر جمال عبدلناصر کی طرف اشارہ ہے۔ اس نے یہ راہ حل پیش کیا تھا کہ سب یہودیوں کو سمند پھینک دیا جائے۔)

● امام خامنہ ای فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک راہ حل یہ ہے کہ آج سے سو سال قبل موجود فلسطینی مقامی باشندوں... خواہ وہ مسلمان ہوں, عیسائی ہوں یا یہودی ہوں۔ ان کے درمیان ایک ریفرنڈم کرایا جائے۔ اس ریفرنڈم کے زریعے ریاست فلسطین کا آئین اور نظام حکومت تشکیل دیا جائے۔ پھر جو پہلی حکومت وجود میں آئے یہ اس کا اختیار ہے کہ آیا وہ ان تارک الوطن یہودیوں کو فلسطین میں رہنے کی اجازت دے یا چاہے تو انہیں ان ملکوں میں واپس بھیج دے یہاں سے یہ آئے تھے۔

● ظاہر ہے کہ اس راہ حل کو اسرائیل کبھی قبول نہیں کرے گا. لہذا مفاہمت اور مذاکرات سے یہ حل ممکن نہیں ہے. اس لیئے امام خامنہ ای فرماتے ہیں کہ: "آذادیء قدس کا واحد راستہ مسلح جدوجہد ہے.."

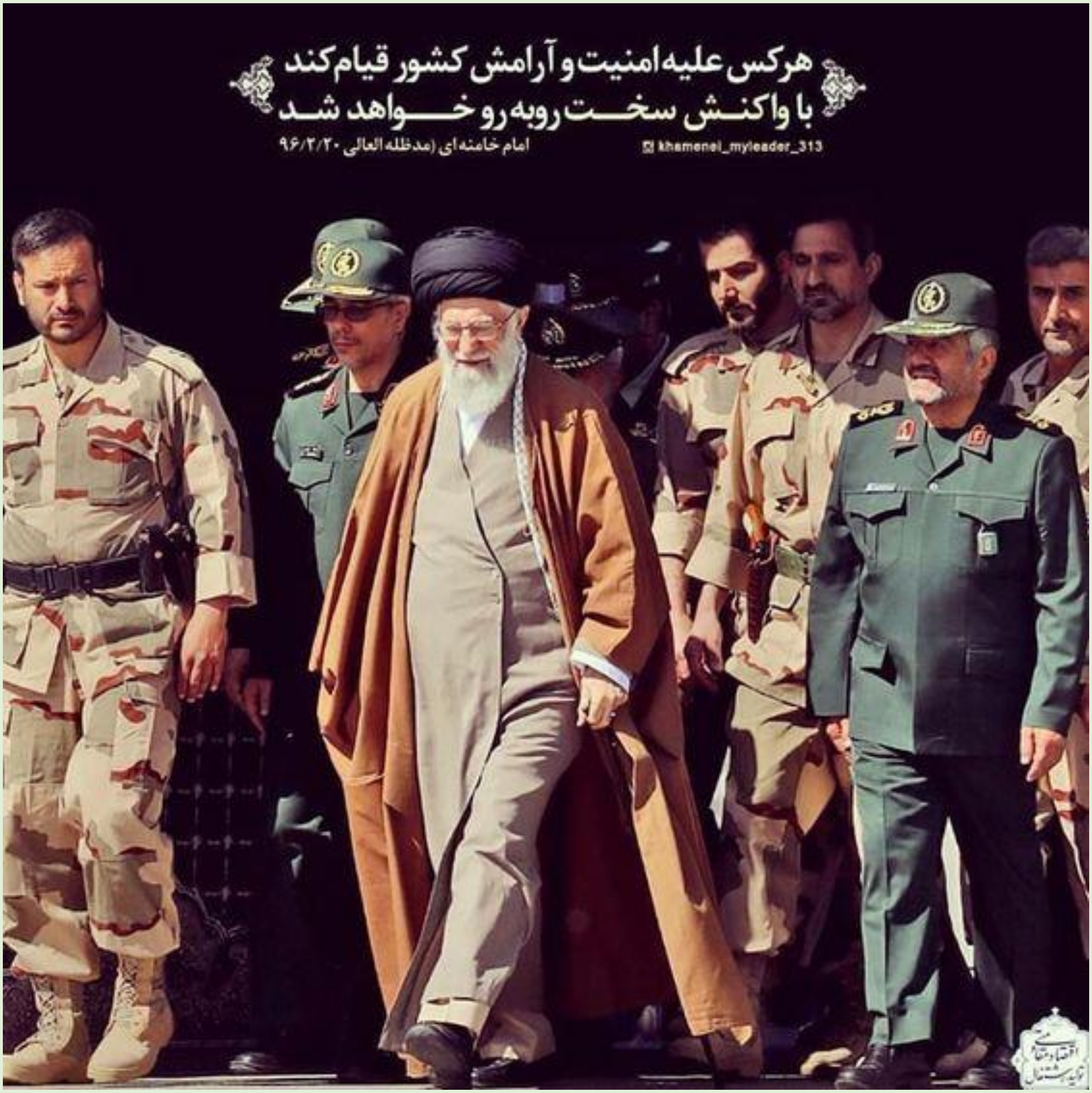
هرکس علیه امنیت و آرامش کشور قیام کند
با واکنش سخت روبه رو خواهد شد
امام خامنه ای (مدظله العالی ۹۶/۲/۲۰
khamenei_myleader_313

ہماری دعا ہے کہ وہ دن جلد آئے کہ غاصب اسرائیلی ریاست کا خاتمہ ہو اور مستضعف و مظلوم فلسطینی عوام اپنے گھروں کو لوٹیں۔ تمام مسلمین جہاں کے لئے ضروری ہے کہ قبلہ اول کی آزادی کے لئے آواز عالمی یوم القدس کے موقع پر کلمہِ حق بلند کر کے غیرت و حمیتِ دینی اور آزادی نفس کا ثبوت دیں۔